

فَلَا تَطْلُحْ مِنْ زُكَّامِهَا وَقَدْ خَابَ مِنْ دَسَمِهَا

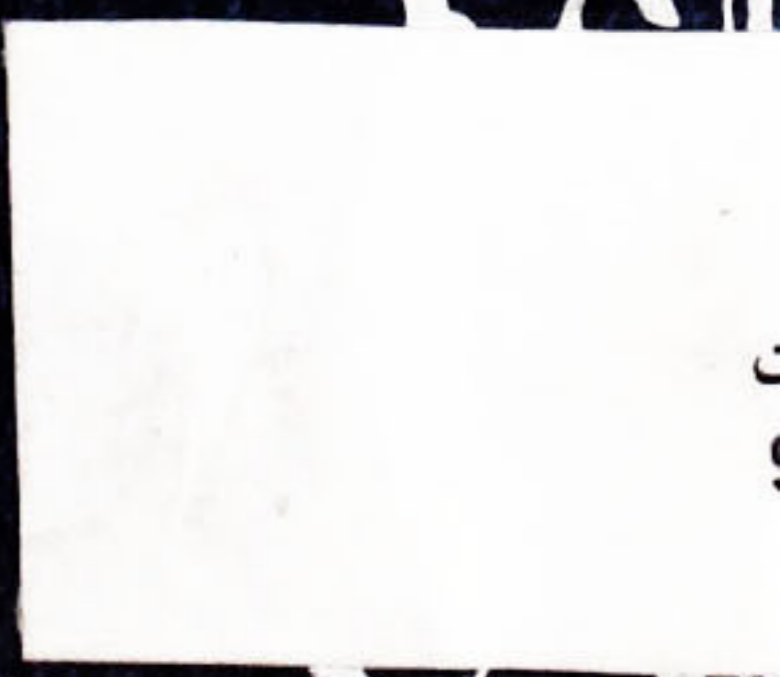
تربیتی نفس اور تہذیب اخلاق

نوع انسانی کیلئے خداوندی ضابطیات اور دستور زندگی

از
مفتی اسلام مولانا محمد اعجاز الحق صاحب
کامرانہ صلی

عمر فاروق اکیڈمی

اردو بازار، لاہور، پاکستان



DATA ENTERED

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا

بے شک فلاح پائی جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اسکو خاک میں ملایا

تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق

یعنی

(نوع انسانی کے لیے خداوندی ضابطہ حیات اور دستور زندگی)

مرتبہ

حضرت مولانا محمد احتشام الحسن کاندھلوی

ناشر

مکتبہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

۱۹۷۳
۲۰۸۹
۹۱۴۰۴

تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق

الحمد لله الذی ہدی وسلام علی عباده الذین اصطفی والعاقبتہ لمن اتقى
یہ امر مسلمات۔ بدیہیات بلکہ مشاہدات سے سے کہ نفس کی پاکیزگی اور اخلاق کی درستی
ہی کے بعد انسان انسان بنتا ہے۔ اگر کسی شخص کے اخلاق و عادات خراب
و خستہ ہوں اس کا نفس گندہ و پراگہ ہو تو کوئی ذی عقل و ہوش بھی اس کو انسان نہ
کہے گا بلکہ اس وقت وہ ایسا حیوان ناطق ہے جو موز کی جانوروں سے بھی زیادہ
بدتر اور ابتر ہے اور انتہائی خطرناک ہے چنانچہ مشہور ہے کہ دو مار بدمذہب
ازیا رید،

اخلاق و عادات کی اصلاح و درستی سراسر نفس کے تزکیہ و تربیت سے وابستہ
ہے جب تک نفس کا تزکیہ اور اس کی صحیح تربیت نہ ہوگی انسانی اخلاق کبھی راہ
راست پر آکر حد اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتے کیوں کہ اس جسم انسانی اور گوشت
و پوست کا نام انسان نہیں ہے۔ انسان درحقیقت اسی نفس امارہ کا نام ہے
جو اس کو نیکی کی طرف لے جاتا ہے یا نیری اور بدی کی طرف کھینچتا ہے جس کا
اصل مادہ ہی طغیان و سرکشی ہے اطمینان و فرمانبرداری تزکیہ و تربیت ہی

کے بعد اختیار کرتا ہے۔ جب وحشی جانور تک تہذیب و تربیت کے بعد انسانوں کے مطیع و منقاد بن جاتے ہیں اور انسانی ضرورتوں کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان تہذیب و تربیت کے بعد صحیح معنی میں انسان نہ بن سکے اور اپنے ابناء جنس کے حق میں مفید اور کارآمد ثابت نہ ہو۔ غرض انسانی فلاح و صلاح اور عروج و کمال سرابہر تہذیب و تربیت سے وابستہ ہے اور ساری خرابی و بربادی نفس کی گندگی و پراگندی سے وابستہ ہے ارشاد خداوندی سے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ ذَكَرَهُ إِذْ رَدَّ

خَابَ مَنْ دَلَّهَا -

بیشک کامیاب ہوا وہ شخص جس نے
نفس کو پاکیزہ کر لیا اور نامراد ہوا وہ
شخص جس نے اس کو خاک میں ملا دیا۔

جس طرح سرکش و جوش کی تہذیب و تربیت کی جاتی ہے کہ ان کو رفتہ رفتہ تامل اور آقا کا مطیع و منقاد بنا دیا جائے۔ اسی طرح سرکش نفوس کی تہذیب و تربیت کا بھی یہی طریقہ ہے کہ ان کو رفتہ رفتہ اپنے مالک اور آقا عزاسمہ و جل سلطانہ کا مطیع و منقاد بنا دیا جائے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کی نافرمانی کر رہا ہے اسی لئے قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم بار بار دیا گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ نفس انسانی سرکشی و طغیانی سے باز آسکتا ہے اور نہ انسانی زندگی کبھی براہ راست پر مستقیم رہ سکتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
رَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَتَوَلَّوْا
سِوَاهُ ۚ وَالْوَالِدَاتُ إِحْسَانًا
وَالْوَالِدَاتُ إِحْسَانًا ۚ وَالْوَالِدَاتُ
إِحْسَانًا ۚ وَالْوَالِدَاتُ إِحْسَانًا ۚ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تم اللہ کی
اور اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو

تم اگر اس سے اگر تم سن رہے ہو۔
اور اطاعت کرو تم اللہ اور رسول
کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔
اطاعت کرو تم اللہ اور رسول کی اگر تم
مومن ہو۔

اور جس شخص نے اللہ اور رسول کی
اطاعت کی اور اللہ سے ڈرا اور اس
کا خوف رکھا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اسی اطاعت و انقیاد کا نام اسلام و ایمان ہے جس سے انسان کی

فوز و فلاح وابستہ ہے۔

اور جس نے اطاعت کی اللہ اور اس
کے رسول کی تو وہ کامیاب ہو گیا بڑی دنیا

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ نَازَ
فَوْزًا عَظِيمًا -

اور اس اطاعت و انقیاد سے انحراف و روگردانی سراسر کفر و طغیان سے
اے محمد کہہ دو کہ اطاعت کرو تم اللہ
اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو
اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ
لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ -

پس کفر و ایمان کا دار و مدار اللہ اور رسول کی اطاعت و العبادت ہے جو شخص
اللہ اور رسول کا مطیع و متقاد نہیں ہے وہ سراسر باغی اور کافر ہے اور جو شخص
اللہ اور رسول کا مطیع و متقاد ہے وہ سچا مومن اور مسلمان ہے۔ یہ امر اس عالم

تَسْمَعُونَ -

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُونَ -

أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ -

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
يُخَشِ وَيَتَّقِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ
الْفَائِزُونَ -

مثال — میں بھی بخوبی مشاہدہ کیا جاتا ہے کسی ملک معظم اور اس کے فرستادہ پیغامبر اور مقررہ کردہ حاکموں کی اطاعت و فرمانبرداری بعینہ اس حکومت کی وفاداری شمار ہوتا ہے جس سے نظم و ضبط سلطنت قائم رہتا ہے اور اس ملک معظم اور اس کے فرستادہ پیغامبروں اور مقررہ کردہ حاکموں کی اطاعت اور فرمانبرداری سے اعراض و انحراف اس حکومت سے بغاوت و سرکشی شمار ہوتا ہے جس سے تمام نظم و ضبط سلطنت درہم برہم ہو جاتا ہے اور سخت ترین جرم سے اللہ رب العالمین اپنے رسولوں کو بھیجتے اسی لئے ہیں تاکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَطَاعُ
بِإِذْنِ اللَّهِ - اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے تاکہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے

پھر اس رسول کی اطاعت بھی بعینہ خالق اور مالک کی اطاعت ہوتی ہے۔
وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ
اللَّهُ - اور جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے۔

اسی اطاعت و اقیاد کا نام ”عبادت“ ہے جو انبیاء اور رسولوں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فرستادہ پیغامبروں کی بعثت کا اصل مقصود ہے ارشاد باری ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوْحِي
إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
فَلْعَبُدُونِ ۝ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسکی جانب یہ وحی بھیجی کہ ہمارے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہذا تم صرف میری عبادت کرو

پروردگار عالم خالق کائنات قادر مطلق نے اس تمام کائنات اور موجودات کو انسان کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَآ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔
وہ وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین پر ہے سب کا سب۔

اور باد و مرن و خورشید و فلک کا زند تانوں نے تکف آری و بغفلت نخوری، اور انسان کو اپنی عبادت و اطاعت کے لئے پیدا فرمایا ہے جو اس کی اسرف

مخلوقات سے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔
اور انہیں پیدا کیا ہم نے جن و بشر کو مگر اسلئے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔

اگر انسان خداوند عالم کی عبادت اور اطاعت کے لئے نہیں سے تو کیا وہ اسرف مخلوقات ہونے کے باوجود محض معطل و بے کار شے ہے۔ کیوں کہ ہر شے اس سے مستغنی ہے اور یہ ہر شے کا محتاج ہے۔ وہ ذات یکتا مستغنی اور بے نیان ہے کسی کی بھی محتاج نہیں ہے۔ یہ عبادت و اطاعت کے طور و طریق بھی محض اس لئے مقرر فرمائے تاکہ ان کے ذریعہ انسانی کائنات کی ترقی و تہذیب ہو کر اسکی اندرونی صلاحیتیں نمایاں ہو جائیں اور وہ اس عروج و کمال کے مقام پر پہنچ جائے جو اس کی خلقت کا مقصود ہے اس تفصیل سے یہ بات بخوبی ذہن میں آگئی ہوگی کہ ترقیہ نفس اور تہذیب اخلاق کی کیوں ضرورت ہے اور اس کی اصل صحیح صورت کیا ہے ؟

انسان کا ترقیہ نفس اور تہذیب اخلاق اگر ہو سکتا ہے تو صرف انہی طریقوں سے ہو سکتا ہے جو اس کے خالق اور پروردگار کی جانب سے بتائے گئے ہیں۔ وہی

بخوبی جانتا ہے کہ انسان میں کیا خوبیاں اور کمالات ہیں جن کو بروئے کار لایا جائے اور کیا خرابیاں اور گندگیاں ہیں جن سے اس کو پاک و صاف کیا جائے۔ مشین کو بنانے والا ہی بخوبی جان سکتا ہے کہ یہ مشین زیادہ مفید اور کارآمد کس طرح ہو سکتی ہے۔ اور لگاڑ کے بعد اس کے اصلاح کی کیا صورت سے بتزکیہ کے معنی ہیں پاک و صاف کرنا گندگی اور خرابی کو اندرون سے نکال دینا۔ اب کپڑے پر اگر گندگی لگ جائے تو اس کو دھو کر پاک و صاف کیا جاسکتا ہے اسی طرح گھرا اور مکان کی گندگی کو جھاڑ دے کر پاک و صاف کر سکتے۔ یہ ظاہری گندگی اور خرابی ہے جس کو ہر شخص محسوس بھی کرتا ہے اور اس کے ازالہ کو ضروری بھی سمجھتا ہے اور جو شخص اس ظاہری گندگی کو بھی محسوس نہیں کرتا اور اس کے ازالہ کو ضروری نہیں سمجھتا وہ انسانیت سے بالکل ہی گرا ہوا ہے لیکن نفس انسانی کی گندگی اور خرابی ایک باطنی امر اور اندرونی روگ ہے جس کا نہ ہر شخص احساس کر سکتا ہے اور نہ اس کے ازالہ کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس لئے ایسے عارف حکیم کی ضرورت ہے جو اندرونی اسرار سے آگاہ ہو۔ اور طبیب حاذق کی طرح تمام اندرونی بیماریوں اور خرابیوں کا معالجہ کرے جس طرح جسمانی امراض کے ازالہ کے لئے طبیبوں اور ڈاکٹروں کا وجود ضروری ہے اسی طرح نفسانی امراض کے ازالہ کے لئے عارفوں روحانی حکماء کا وجود بھی ناگزیر امر ہے پھر گندگی اور خرابی۔ کی بھی دو نوع ہیں۔

ایک وہ جن کو ہم گندگی اور خرابی سمجھتے ہیں اور ان سے پاک و صاف رہنے کی طبیعتاً کوشش کرتے ہیں جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ اشیاء۔ کہ ان سے

خود سلیم الطبع انسان کی طبیعت کراہت کرتی ہے اور ان کے ازالہ کی کوشش کرتی ہے۔

دوسرے اس قسم کی اشیاء جن کی گندگی اور خرابی کا ہمیں کوئی احساس نہیں ہے ہم اس کو اسی وقت گندگی اور خرابی سمجھیں گے جب اس سے آگاہ کیا جائے گا۔ جیسے منی خارج ہونے سے بدن کا غلیظ و ناپاک ہونا اور حوض و نفاس سے بدن کا غلیظ و ناپاک ہونا۔ شراب کا ناپاک ہونا وغیرہ۔ یہ ہمیں اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب ہمیں اس کی اصل حقیقت سے کوئی عارف و واقف آگاہ کرے گا۔

اس دوسری نوع کا علم تو بغیر تلبائے حاصل ہو ہی نہیں سکتا لیکن پہلی نوع کی گندگی اور خرابی بھی بسا اوقات رسم و رواج اور عادات کی خرابی کی وجہ سے ملتبس ہو جاتی ہے اس لئے ہر حال میں ایسے واقف و عارف کی ضرورت ہو گی جو اس گندگی اور خرابی سے ہمیں بخوبی آگاہ کرے اور اس سے پاک و صاف کرے۔ یہ دونوں نوع کی نجاست و غلاظت ظاہری نجاست اور غلاظت ہے خواہ طبیعت نے اس کا ادراک کیا ہو یا صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتانے سے ہمیں اس کا علم ہوا ہو۔ اور ان نجاستوں سے پاک و صاف ہونا ظاہری پاکی صفائی ہے۔ اور ظاہری پاکی اور صفائی کا اثر زیادہ تر ظاہری پر ہوتا ہے۔ اگرچہ اس ظاہری پاکی سے باطن بھی ضرور متاثر ہوتا ہے اور ظاہری پاکی سے بھی فی الجملہ نفس کی پاکیزگی اور صفائی و ستھرائی ہوتی ہے چنانچہ امام غزالیؒ نے اس کی تصریح کی ہے اور مشاہدہ سے اس کو ثابت بھی فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں دیکھو جب انسان جنابت سے غسل کرتا ہے یا بے وضو آدمی وضو کرتا ہے تو باطن میں ایک ایسا انشراح اور ^{شگفتگی} پاتا ہے جو پہلے نہ تھی۔ پہلے باطن میں ایک خاص حالت ہوتی ہے۔ جو نہ نور ہے اور نہ ظلمت ایک ضو کی سی کیفیت ہے اور غسل یا وضو کے بعد ایک خاص قسم کی نورانیت اور ^{شگفتگی} و تازگی محسوس ہوتی ہے۔ اور ساری نحوست و کدورت ووز ہو جاتی ہے۔ جو پہلے سے اندرون میں طاری تھی۔

یہ نورانیت اور بشاشت وضو ہی کا اثر ہے کیوں کہ ظاہری پاکیزگی بھی نفس کی پاکیزگی پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے اسی لئے وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے اور مزید انشراح اور بشاشت کا باعث ہے اور وضو مومن کا ہتھیار ہے جو اس کی برے اثرات سے حفاظت کرتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب انسان کوئی بڑا کام کرتا ہے تو لازمی طور پر اس کے برے اثرات قلب پر بھی پڑتے ہیں۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لے تو وہ زائل ہو جاتا ہے۔ اور اگر پھر گناہ کیا تو ایک اور دھبہ سیاہ لگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گناہ کرتے کرتے وہ سیاہی تمام قلب کی محیط ہو جاتی ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ "وضو سے گناہ دھلتے ہیں" یعنی گناہوں کے باطنی اثرات کا ازالہ ہوتا ہے۔

پس جب قلبی قسادت و کدورت گناہوں کی وجہ سے تھی اور وضو سے

گناہ دہل گئے اور اس کے اثرات زائل یا کم ہو گئے تو لازمی طور پر قلب میں نورانیت و بشارت محسوس ہوگی۔ یہ فرق بے نماز گنہگار شخص اور نمازی متقی پیرسزگار شخص کی صورتوں سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ جس طرح ظاہر کے اثرات باطن پر پڑتے ہیں اسی طرح باطن کے حالات بھی ظاہر سے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ پہچاننے والے بے تکلف متقی اور مجرم کو صورت سے پہچان لیتے ہیں۔

ان کے علاوہ بکثرت باطنی خرابیاں بھی ہیں جو باطن سے ہوتی ہیں اور باطن پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کا ادراک وہی کر سکتے ہیں جو امراضِ قلوب سے واقف ہیں اور وہی ان کا مداوا اور معالجہ بھی کر سکتے ہیں جو روحانی طبیب ہیں۔

یہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدس برگزید جماعت سے جو اسی لئے بھیجی جاتی ہے تاکہ ہدایت ربانی کے موافق انسانی زندگی سے بگاڑ و فساد کا ازالہ کر کے نوع انسانی زندگی کو بندگی کی صراطِ مستقیم پر استوار قائم کر دے۔ وہ ہدایت ربانی اور اوامر و احکامِ خداوندی مخلوقِ خدا تک پہنچاتے ہیں تاکہ مخلوقِ خدا ان سے آراستہ و پیراستہ ہو کر دربارِ خداوی کی حاضری اور حضوری کے شایان ہو جائے۔ جو ہدایت اور اوامر و احکام ان پیغمبروں کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں وہی شریعتِ الہیہ اور دستورِ خداوندی سے جو اس زمانہ کے لوگوں کے حسب حال ہوتا ہے۔ آخری جامع مکمل شریعتِ الہیہ جو تمام سابقہ شرائعِ الہیہ کی اصولی تعلیمات اور عمدہ اعمال و افعال پر مشتمل ہے نبی آخر زمان سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ ہے جو تمام انسانوں کے لئے ہے اور آخر تک کے لئے ہے کسی خاص زمانہ یا ملک اور خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ انتہائی معتدل ہے فطرت انسانی کی صحیح ترجمان ہے اور تمام انسانوں اور زمانوں اور ملکوں کے حسب حال اور مناسب مقام ہے نہ اس میں تغیر و تبدیلی کی گنجائش ہے اور نہ اس میں ترمیم و اضافہ کی کسی کو مجال ہے اور یہی آخری دین الہی اور دستور خداوندی ہے جس سے کوئی ایک متنفس بھی سر مو انحراف کا مجاز نہیں ہے۔

اس کی جامعیت تکمیل اور اعتدال کی وجہ سے اب جو بھی مخلوق خدا کی رہنمائی ہوگی وہ اسی دستور خداوندی کے ماتحت ہوگی اس سے اعراض و انحراف کی خدائی، عبادت و بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری سے اعراض و انحراف سے تمام نفوس انسانی کو اسی آخری شریعت الہیہ اور دستور خداوندی کا پابند بنانا ہے تاکہ سرکش نفوس خدائی احکام کے پابند ہو کہ ہر طرح ان کا تزکیہ ہو جائے۔

اب یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ نفس انسانی کے تزکیہ اور تطہیر کے لئے اس کا پابند ہونا ضروری اور لا بدی امر ہے اور پابندی بھی وہی، معتبر اور مفید و کارآمد ہو سکتی ہے جو خدائی احکام اور خدائی فرما میں کے ماتحت ہو کیوں کہ وہ رضائے الہی کے موافق سے اس کے علاوہ دیگر قوانین اور تجاوز کے ذریعہ نفوس انسانی کو پابند بنانا نہ رضائے الہی کا باعث ہو سکتا ہے اور نہ نفس سرکش ان قوانین و تجاوز کے ذریعہ مطیع و متقاد ہو سکتا

مے تو نفس امارہ کی عین خوشی سے کہ وہ خدائی قانون سے آزاد ہو کر اغراض و خواہشات کی پیروی اختیار کرے جو خدا پرستی نہیں بلکہ اختیار پرستی اور اغراض پرستی سے۔ اور ظلم عظیم سے یہ وہ مسلمہ بدیہی اصول ہے جس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ عقلی اور فلسفی ہو یا مذہبی اور رواجی ہو کیوں کہ نفس انسانی کی پابندی کے بغیر چارہ نہیں ہے ورنہ تمام ملکی قوانین اور ضوابط حیات معطل اور بے کار ہوں گے اور تمام مذاہب عبث اور بے کار ہوں گے اور تمام ضابطہ ہائے زندگی بے سود قرار پائیں گے اور ان سے کوئی بھی ذی عقل و شعور انکار نہیں کر سکتا جب ملکی قوانین اور ضوابط حیات کے بغیر چارہ نہیں ہے تو خدائی دستور و قانون کی ضرورت و اہمیت اور حکمت و مصلحت سے کس طرح انکار کیا جاسکتا جو مالک الملک و راجع الحاکمین ہے اور اپنے بندوں پر سب سے زیادہ مشفق و مہربان ہے لیکن اتنی بات لوگوں کی عقل میں نہیں آتی کہ ملکی قوانین جو روز بروز نئے اور بگڑتے ہیں انسانی زندگی کو راہ راست پر کیوں قائم نہیں کرتے اور ان قوانین کے ہوتے ہوئے یہ شر و فساد اور جبر و استبداد روز افزوں کیوں ہے؟

اگر غور اور تامل سے کام لیا جائے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خداوند عالم کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہٹا کر انسانوں کو انسانوں کا مطیع و منقاد بنانے کی سعی لاجاصل کی جا رہی ہے جو فطرت انسانی کے سراسر خلاف ہے اور سراسر ظلم ہے اور انسانی شرف کے بالکل خلاف ہے۔ دنیا کی تاریخ میں

ایک دور اے ایسا بھی گزرا ہے جس میں روئے زمین سے شر و فسادات جبر و استبداد کا قرین قرین خاتمہ ہو گیا تھا اور عدل و انصاف انسانی مساوات کا دور قائم ہو گیا تھا۔ یہ ذرین اور مثالی دور وہی زمانہ ہے جب سب انسان شریعت اسلامیہ کے پابند تھے۔ کسی امیر و غریب، حاکم و محکوم، آقا و غلام، اسود و ایض کا فرق و امتیاز نہ تھا۔ ہر ایک خدائے واحد کا پرستار تھا اور اس کے احکامات و فرامین کا مطیع و منقاد تھا۔ اس عینی مشاہد کے بعد پھر اس کی صداقت و حقانیت کیلئے کسی مزید دلیل کی حاجت نہیں۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اوامر و احکام خداوندی کے مجموعہ کا نام شریعت اسلامیہ ہے اور اس کے اعتراف و اذعان کا نام اسلام و ایمان ہے۔

تو اب اسلام سے وہی لوگ اعراض و انحراف کر سکتے ہیں جن کی عقلوں میں فتور ہے اور قلوب میں شقاوت و قساوت بھری ہوئی ہے جس سے تزکیہ و صفائی بہر حال ضروری ہے ورنہ اس کے جراثیم تمام نوع انسانی میں پھیل کر سب کو برباد کریں گے۔ شریعت اسلامیہ کا پابند بنانے میں تمام نوع انسانی کی ہمدردی و خیر خواہی ہے۔ ساری ہی انسانی برادری سرکشی و طغیانی نفس پرستی و اعراض پرستی کے گرداب میں پھنسی ہوئی اور جہالت و نادانی، آزادی و آوارگی کے اس منتہائی مقام پر پہنچ چکی ہے جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اور یہ کام وہی کر سکتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کی حقانیت و صداقت کو قبول کئے ہوئے ہیں۔

سرکش نفوس کی اصلاح و درستی کے لئے شریعت الہیہ کی پابندی تو ناگزیر تھی۔ لیکن یہ پروردگار عالم خالق کائنات عزاسمہ وجل سلطانہ کا اپنے بندوں پر خصوصی انعام و اکرام ہے کہ بندوں کو ان ہی امور سے روکا گیا ہے جو ان کے لئے مضرت رسان تھے اور۔ ان ہی امور کی پابندی کا حکم فرمایا گیا ہے جو انسانیت و پاکیزگی اور آئندہ عروج و ترقی کے لئے ناگزیر ضروری امور تھے۔ اگر ہر حکم خداوندی اور ہدایت ربانی اور فرمان الہی کے حکم اور مصالح کو بیان کیا جائے تو یہ بشری طاقت سے باہر ہے۔ کیوں کہ جب موجودات اور محسوسات کے بھی پورے فوائد اور منافع کے ادراک سے انسانی عقول قاصر اور عاجز ہیں۔ ایک ایک شے کی تحقیقات میں فلاسفوں اور حکیموں کی عمریں صرف ہو گئیں اور ہنوز تحقیقات نامکمل و ناتمام ہیں تو اوامر خداوندی کے فوائد اور منافع کے ادراک تک انسانی عقول کی رسائی کس طرح ہو سکتی ہے جو سراسر نورانی اور روحانی ہیں عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں۔

انسانی روح عالم امر سے ہے *ثُمَّ الْإِنْسَانُ أَعْرَضَ عَنْهُ* رکہ دو کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے جب اس امر ربانی کا جو ہر وقت کا جسم کا ساتھی ہے دگ و ریشہ میں سمایا ہوا ہے اور اک نہیں ہو سکتا اور نہ آج تک عقلاء زمانہ ادراک کر سکے تو پھر ان بے شمار اوامر خداوندی کا ادراک شعور کس طرح ہو سکتا ہے جن کے حقائق بالکل نگاہوں سے اوچھل ہیں۔ اب صرف وہی نفوس قدسیہ ان کا ادراک کر سکتے جو حقائق شناس ہیں اور ان کو ان حقائق سے آگاہ کیا گیا ہے۔ جب انسانی عقل عالم خلق کی تحقیقات بھی مکمل نہیں کر سکی تو وہ

عالم امر میں کیا ورک دے سکتی ہے۔ اس لئے اس وقت صرف فرض عبادت کی بعض حکم و مصالح کو بیان کیا جائے جن اہل بصیرت اور حقیقت شناس قلوب نے احساس و ادراک کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسانی تزکیہ اور تربیت کی اس سے اعلیٰ صورت عقلاً بھی مقصود نہیں ہے اور نہ ان کے بغیر نفوس انسانی میں تازگی اور پاکیزگی آسکتی ہے۔

اہم ترین فرض عبادت پانچ ہیں:

۱۱) کلمہ شہادت کا اقرار و اعلان۔ (۱۲) پانچ وقت کی نماز۔ (۱۳) رمضان شریف کے روزے۔ (۱۴) مال کی زکوٰۃ۔ (۱۵) بیت اللہ الحرام کا عمر بھر میں ایک بار حج۔

اسلام کی خوشنما مستحکم تعمیر ان ہی پانچ عبادتوں پر قائم اور استوار ہے اور یہ پانچوں امور اس کے مضبوط اور مستحکم ستون ہیں اسی لئے ان کو ارکان اسلام کہتے ہیں ان میں سے جو نسا ستون بھی کمزور ہو جائے گا اسی قدر اسلامی نفع میں کمزوری واقع ہوگی۔ اگر سارے ستون کمزور ہو جائیں گے تو سارا قلعہ کمزور ہو جائے گا۔

اصل اسلام و ایمان تو اللہ اور اس کے رسول کے اوامر و احکام کا اذعان و یقین اور اطاعت و انقیاد ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو حاوی ہے زندگی

کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اللہ اور رسول کی جانب سے صحیح ہدایت اور اصولی تعلیمات نہ تیار دی گئی ہوں جن کی تعمیل و بجا آوری عبادت بندگی ہے۔ اس طرح انسانی پوری زندگی کو بندگی کے سانچہ میں ڈھال

دیا گیا ہے۔

لیکن اس ملکہ کا حصول ان امور کی استقامت اور استحکام پر موقوف ہے جو ارکانِ اسلام کہلاتے ہیں۔ اس وقت ان ہی پانچ ارکان کی نسبت کچھ لکھنا ہے کیونکہ انسانی نجات و فلاح انہی سے وابستہ ہے۔

پہلا رکن کلمہ شہادت کا اقرار و اعلان

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

یعنی میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت و اطاعت کے لائق نہیں ہے وہ اپنی ذات و صفات میں ایک اور بکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ مقبول بندہ ہیں اور اس کے فرستادہ پیغمبر اور رسول ہیں۔

اس شہادت اور اقرار و اعلان کے بعد انسان مومن اور مسلمان بن جاتا ہے اور طغیانی و سرکشی کے زمرہ سے نکل کر اسلام و انقیاد کے قلعہ میں آجاتا ہے دائمی ابدی عذابِ جہنم سے خلاصی پالتا ہے اور دخولِ جنت اس کے لئے قطعاً یقینی ہو جاتا ہے کیوں کہ اس نے سرکشی اور طغیانی کی روش کو چھوڑ کر اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کر لی ہے اور اپنے نفسِ سرکش کو کفر و شرک کی گندگی و غلاظت و خماشت سے پاک و صاف کر کے اطاعت و انقیاد کے جذبہ سے معمور اور آراستہ کر لیا ہے اسی لئے اس کی سابقہ تمام سرکشی

اور عناد و طغیانی کا عدم اور معدوم ہو گئی۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الإِسْلَامُ يُقَدِّمُ مَا قَبْلَهُ ۖ اِسْلَامٌ تَمَامٌ سَابِقَةٌ سِرْكَشِي كُوْمَنْدَم كَر دِي تَانِي ۚ يَعْنِي
اس کی سابقہ طغیانی و سرکشی قابل گرفت نہیں اب یہ فاشعار بندوں میں داخل
ہے حزب مخالف سے نہیں ہے بلکہ حزب اللہ میں شامل ہو گیا ہے۔ نوری نہیں
نوری بن گیا ہے۔ درحقیقت یہ ایک انقلابی کلمہ ہے جو انسانی زندگی کی بالکل
کاپی پلٹ کر دیتا ہے اور باطن کو اس قدر پاکیزہ و صاف ستھرا کر دیتا ہے کہ اس
میں غیر اللہ کی گنجائش نہیں رہتی سارا تعلق خاطر ایک اللہ رب العزت سے
والبتہ ہو جاتا ہے۔ اس کلمہ کے دو جز ہیں جن کا مفہوم سمجھنے پر اس کلمہ کی حقیقت
سمجھنا موقوف ہے۔ پہلا جز اللہ رب العالمین کی معبودیت ربوبیت اور وحدانیت
کا اعتراف و اقرار ہے۔ اللہ وہ ذات ہے چوں و چگون ہے جو تمام صفات کمال
سے بالذات متصف ہے اور ہر نقص و عیب سے منزہ اور پاک ہے اور اپنی
ذات و صفات میں یکا وریکیتا ہے کوئی اس کا شریک و ہمسر اور معین و مددگار نہیں ہے۔
آسمانوں اور زمینوں اور کل کائنات کا خواہ وہ علوی ہوں یا سفلی خالق
اور مالک وہی ہے اور وہی ہر ایک کی اس کے حسب حال تربیت فرما رہا
ہے اور تمام تدبیرات اور تصرفات تنہا اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اسی
لئے عبادت اور اطاعت کا مستحق بھی صرف وہی ایک ذات ہے ساری
عظمت و کبریا ہی صرف اسی کے لئے جس کی شان کبریا ہی یہ ہے۔
اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی
أَللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ

الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا
 نَوْمٌ لَّمَّا فِى السَّمَوَاتِ وَمَا فِى
 الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِى يَشْفَعُ
 عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
 أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ
 بِشَيْءٍ مِّنْ عِنْدِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ
 وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ
 وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا
 وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ۔

معبود نہیں ہے زندہ سے سب کو
 سنبھالنے والا ہے نہ اس کو اونگھ آ
 سکتی ہے اور زمین اسی کی ملک ہے جو کچھ
 آسمانوں اور زمین میں ہے کون شخص سے
 جو اسکے سامنے بلا اسکی اجازت کے نہ
 کر سکے وہ جانتا ہے ان کے تمام حاضر
 و غائب حالات کو اور وہ اس کے علم
 میں صرف اسی کا احاطہ کر سکتے ہیں جس
 قدر کہ وہ چاہے اس کی کرسی تمام آسمانوں
 اور زمین سے وسیع ہے اور ہر کو ان دونوں کی
 حفاظت کچھ گراں نہیں گذرتی اور وہ
 عالی شان اور عظیم الشان ہے۔

جس کی یہ نشان نہیں وہ معبودیت اور خدائی کے بھی لائق نہیں ہے۔ نہ اس
 کی کسی طرح عبادت کی جاسکتی ہے اور نہ اس کو خدائی کا مرتبہ دیا جاسکتا ہے اور
 وہ ذات صرف ایک سے جو یکتا ہے ہر ماسوا سے مستغنی و بے نیاز ہے جسے تعلق
 سے منزه ہے اس کے مثل کوئی نہیں ہے۔

اے محمد کہہ دو کہ اللہ یکتا ہے اور اللہ
 ہر چیز سے بے نیاز ہے نہ اس نے کسی
 کو جنما ہے اور نہ وہ جنما گیا ہے اور یہ

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝
 لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ
 لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

ہے اسکے مثل کوئی بھی۔

تمام صفات کمال بالذات اسی کے لئے ہیں اس لئے محبوب اور مطلوب اور مقصود بھی صرف وہی ایک ذات ہے اس کے سوا کوئی بھی محبوب و مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔ لہذا نہر محبت و تعلق اور ہر عظمت و کبریائی کا مستحق اور سزا وار وہی ہے اور ہر اطاعت و فرمانبرداری صرف اسی ایک ذات وحدہ لا شریک نہ کیلئے ہے اس اقرار و اعتراف کے بعد انسان کا ما سوا اللہ سے تعلق منقطع ہو کر ہر تعلق اس ذات وحدہ لا شریک نہ سے قائم ہو گیا جو سب سے بالا اور برتر اور مطلق ہے اس کلمہ کا دوسرا جز، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور عبدیت کا اعتراف و اقرار ہے آپ خداوند عالم کے محبوب اور مقبول بندہ بھی تھے۔ اور خداوند عالم کے فرستادہ رسول اور پیغمبر بھی تھے۔ رسالت کے اعتراف کا مقتضایہ یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت خداوند عالم کا بھیجا ہوا دستور بندگی اور آئین زندگی ہے جس سے سراسر انحراف نہ ہوگا۔ اور آپ کی بتلائی ہوئی سکھلائی ہوئی باتیں سب کی سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اپنی طبع زاد نہیں ہیں سب کے سب خدائی اوامر و احکام ہیں کہ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا
وَحْيٌ يُوحَىٰ ۔
اور نہیں بات کہتے وہ اپنی طرف سے بلکہ وہ وحی الہی ہوتی ہے جو انکی طرف بھیجی جاتی ہے
اس لئے لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جو بات آپ ان کو بتائیں اس کو قبول کریں اور جس بات سے آپ ان کو منع فرماویں اس سے باز رہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

مَا اتَّكَمُ الرَّسُولُ فخذوا ما نَهَاكُمْ عَنْهُ فَأْتَهُوا - جو بات تم کو رسول بتائیں تم اسکو لے لو اور جس بات سے تمہیں منع کریں اس سے باز رہو

اور آپ کی پوری زندگی کو مخلوق کے لئے عملی نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَدْعُو إِلَى اللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ - بیشک تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ کی بقاء اور یوم آخرت کی سرخروئی کا امیدوار ہو

اس رسالت کے اعتراف و اقرار سے آپ کی پوری شریعت اور آپ کی ہر بات کی حقیقت و صداقت اور من جانب اللہ ہونے کا اعتراف و اقرار ہو گیا۔ اور انسانی زندگی سراسر دستور خداوندی اور آئین بندگی کی پابند ہو گئی۔ اور عبدیت کے اعتراف و اقرار کا مقضایہ ہے کہ دیگر مذاہب والوں کی طرح آپ کی عظمت و محبت میں افراط و غلو نہ کیا جائے اور بشریت کے دائرہ سے نکال کر آپ کو الوہیت کے مقام پر نہ پہنچایا جائے کیوں کہ دیگر مذاہب والے اسی لئے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے فرط محبت اور غایت تعظیم میں اپنے مذہبی پیشواؤں کو جو ان کی طرح بشری تھے خدائی مقام پر پہنچا دیا اور ان کو معبود قرار دے دیا۔ جو ان پر بھی بہتان عظیم ہے اور اپنے پر بھی ظلم عظیم ہے اور کھلا کفر و شرک ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔

اس عبدیت کے اعتراف میں اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ خدا کی خدائی اور عظمت و کبریائی کے بعد جو کچھ بھی بزرگی اور فوقیت ہے وہ عجز و انکساری حاصل ہے اور یہی مقام عبدیت ہے جو آپ کی امتیاز کی نشان ہے آپ کی رسالت و نبوت

کے اعتراف و اقرار کے بعد اللہ رب العالمین کی عبادت و اطاعت کا راستہ
 بھی متعین ہو گیا کہ خداوند عالم خالق کائنات عز اسمہ اور جل سلطانہ کی وہی عبادت
 و اطاعت قابل پذیرائی اور لائق باریابی سے جو آپ کی لائی ہوئی شریعت
 کے بالکل مطابق ہوگی۔ ورنہ وہ عبادت و طاعت بے کار اور مردود ہوگی۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا
 فَذَنْ يُقْبَلُ مِنْهُ وَهُوَ
 فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی مذہب
 اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول
 نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ

والوں سے ہے۔

ظاہرات ہے اصل پابندی آخری دستور و قانون ہی کی پابندی مقصود ہوتی
 ہے پھر کوئی شخص سابقہ قوانین کی پابندی کر کے عذاب اور گرفت سے کس
 طرح نجات پاسکتا ہے یہ تو عقل کے بھی سہرا ہے خلاف سے جزوتالی گویا جز
 اول کی تکمیل شان سے جس سے توحید باری کامل خالص اور راسخ ہوتی ہے
 اس توحید و رسالت کے اعتراف کے بعد انسانی ساری زندگی بھی پابند ہو
 گئی اور اس کو تمام فاسد خیالات غلط نظریات اور معتقدات سے بھی خلاصی
 اور چھٹکارا ہو گیا۔ نفس کی ساری خرابی اس کے معتقدات و خیالات ہی کی خرابی اور
 پراگندگی ہے جس کا اس رکن اول سے کبیر خاتمہ ہو گیا۔

سے موحدا گرچہ پر پائے ریزی زرش
 امید و ہر شش نباشد ز کس
 وگر تیغ ہندی نہی بر سرش
 ہمیں ست بنیاد توحید و بس

توحید و رسالت کا اذعان کامل حاصل ہو جانے کے بعد پھر دل کی دنیا ہی

بدل جاتی ہے۔ حق کی روشنی قلب کو نورانی بنا دیتی ہے۔ بصیرت کی نگاہیں کھل جاتی ہیں باطل کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اور نفس امارہ سراسر مطیع و منقاد ہو جاتا ہے پھر جو کچھ اس سے ظہور میں آتا ہے وہ خداوند عالم کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کی رضا مقصود ہوتی ہے۔ ذاتی اغراض و خواہشات مرتل جاتی ہیں جو کچھ سرزد ہوتا ہے رضا الہی اور مخلوق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لئے ہوتا ہے۔ اس دل و دماغ کے تصفیہ اور تفتیح اور پاکیزگی و صفائی کے بعد ہر انسان کے لئے چار ریاضتیں اور بہت سہل آسان مجاہدے مقرر کئے گئے یہ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج ہیں تاکہ جو ملکہ کلمہ شہادت قبول کرنے کے بعد پیدا ہوا ہے وہ راسخ ہو جائے اور روزا قزوں ترقی کرتا رہے اور جس امر کی زبان سے شہادت دی ہے وہ اعمال کے ذریعہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے قولی اعتراف کے بعد اسکا عملی ثبوت بھی ایک ناگزیر امر ہے۔

نماز اور روزہ بدنی ریاضت سے اور زکوٰۃ مالی ریاضت سے اور حج بیت اللہ جانی اور مالی دونوں ریاضتوں سے مرکب ہے۔ دراصل تمام خرابیوں اور برائیوں کا اصل منشأ و امر ہیں ایک کبر و بڑائی جسکو عجب بھی کہتے ہیں۔ دوسرے لذت نفس جسکو شہوت اور خواہش نفسانی بھی کہتے ہیں۔

تمام مفاسد اور خرابیوں کی اصل جڑ اور بنیاد یہی دو امر ہیں ان دونوں سے نفس کا تزکیہ اور ان کو خدا عزوجل پر قائم کر دینا ہی اصل کام ہے تاکہ باقی خرابیاں نشوونما نہ پائیں۔ شریعت اسلامیہ میں ان دو مرضوں کا ازالہ کیا

کیا ہے بیشتر احکام ان ہی کے متعلق ہیں اور ایسی خوبی سے ان کا معالجہ فرمایا ہے کہ ان احکام میں سے کوئی حکم بھی ہمارے طبعی مذاق اور فطری جذبات سے بعید نہیں کیوں کہ سب احکام فطرت انسانی کے موافق ہیں اس لئے طبائع انکو بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔ حکماء اشرافین اور راہبوں اور جاگیوں نے بھی ان ردائل سے تزکیہ کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے لئے سخت مجاہدے کئے اور بڑی بڑی ریاضتیں کی ہیں اور مشقتیں اٹھائی ہیں چنانچہ انسان کسی طرح تحمل نہیں کر سکتا۔ اور اسلام نے جو طریقے ان کے ازالہ کے لئے تلقین کئے ہیں وہ بہت آسان ہیں کہ ہر شخص ان کے ذریعہ بخوبی ان خبیث ملک بیماریوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ کبر و نخوت کے ازالہ کے لئے نماز مقرر کی گئی۔ اور ترک لذات اور شہوت پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے روزہ مقرر فرما دیا گیا۔

ان کے علاوہ دو خرابیاں اور ہیں جن کے برے اثرات اپنے نفس ہی پر نہیں بلکہ دوسروں پر بھی پڑتے جو دو متعدی مرض ہیں وہ حسد جاہ اور حسد مال ہے جن کی محبت میں انسان ہر برائی کر گزرتا ہے۔ اور دوسروں کو ہر نوع کا نقصان اور ضرر پہنچا دیتا ہے اپنے جاہ مال کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا ان کا ازالہ زکوٰۃ اور حج کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ یہ محض اجمال ہے جس کی تفصیل آگے معلوم ہوگی۔

دوسرا زکین پانچ وقت کی نماز پڑھنا

کبر و نخوت وہ موذی برائی ہے جس کی خرافت و غلطی باطن کو بھی خبیث و غلیظ

بناتی ہے اور ظاہر پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسروں کی بھی تحقیر و تذلیل کا باعث ہوتی ہے اس کی وجہ سے اپنی عادات بگڑتی ہیں جس کے اثرات دوسروں پر بھی پڑتے ہیں۔ حکماء راہبوں۔ جوگیوں اور بعض صوفیوں نے اس کا علاج یہ تلاش کیا کہ تذلل کے اسباب اختیار کئے اور ایسے ایسے طریقے ایجاد کئے جس سے لوگ ان کو چھوڑ دیں اور ذلیل و خوار سمجھیں کوئی ان کو خاطر ہی میں نہ لائیں۔

لیکن شریعت اسلامیہ نے ہمیں اس کے خلاف تعلیم دی ہے۔ اور اس کو انسانیت کی توہین اور بے توقیری شمار کیا ہے۔ چنانچہ حکم ہے۔

لا ینبغی للہومن ان یدل نفسہ۔ مومن کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ اس کے بجائے ہمیں اس کی تعلیم دی کہ عجز و خواری اور ذلت و انکساری

صرف اپنے مالک اور خالق کے سامنے اختیار کریں اس سے عجز و انکساری بھی پیدا ہوگی اور اپنے نفس کی توہین اور بے توقیری بھی نہ ہوگی کیوں کہ انسان کو پیدا اسی لئے کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے آقا کے سامنے سرنگوں اور پائمال رہے

جب خالق اور مالک کے سامنے سرنگوں اور پائمال رہتے گا تو اس کی عظمت و معرفت اس کے اندرون میں سرایت کرے گی اپنے کو پہنچے اور بے حقیقت و بے حیثیت جانیکا اور تمام کبر و نخوت کا اندرون سے صفایا ہو جائیگا۔ خالق اور مالک کے سامنے تذلل اور انکساری کے لئے نماز مقرر کی گئی

سے اس میں غایت تذلل اور انکساری بھی ہے کہ سر جو اشرف اعضاء ہے اور کبر و نخوت کا اصل مخزن ہے خاک زمین پر پڑا ہوا ہے جو ارذل اشیاء سے اور غایت رفعت و سر بلندی بھی ہے کہ بندہ حقیر اپنے مومن کریم کے روبرو سر بسجود

سے اس کی حمد و ثنا کر رہا ہے اور اپنی معروضات اس کی بارگاہ عالی میں پیش کر
 رہا ہے۔ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور پڑتا ہے۔ تو جب یہ شخص اپنا سر زمین پر رکھے
 گا تو محالاً اس کے اندر سے کبر و نخوت کا مادہ کم ہوگا اور تذلل و انکساری پیدا
 ہوگی۔ غار کی وجہ سے پروردگار عالم کی عظمت و معرفت اور قرب و معیت
 نصیب ہوگی جب حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پیش نظر ہوگی تو اپنا ہیج و
 ہیج ہونا ذہن نشین ہو جائے گا۔ اور کبھی غرور و برائی کی جرأت و ہمت نہ ہوگی۔
 پھر محض ہیئت تذلل کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اسکے اندر اپنے ساتھ ہم کلامی
 کی بھی اجازت دے دی گئی اگر یہ حکم ہوتا کہ سر خم کا کر کھڑے رہو یا سجدہ میں
 پڑے رہو تو یہ محض مجاہدہ و ریاضت ہوتی اور اب مجاہدہ و ریاضت بھی
 ہے اور لذت و سرور بھی ہے۔ پھر اول سے آخر تک ایک ہیئت نہیں رکھی
 بلکہ مختلف افعال اور اذکار سے مرکب بنایا ہے اور اس میں بھی مناسبیت
 اور مناسب تغیرات رکھے تاکہ نشاط و سرور برقرار رہے۔ اس کے برخلاف
 حکماء و متراضین کے مجاہدے ہیں جو مشقت ہیں ہر ایک کے بس کے نہیں ہیں
 اور نہ عام طور پر ان کو اختیار کر کے نفس کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ عمومی مرضی
 کا عمومی علاج نہیں ہیں نیز یہ امر تمام حکماء اور متراضین کا مسلہ و متفقہ اصول
 ہے کہ تزکیہ نفس کیلئے خلوت و کیسوتی ضروری امر ہے اور خلوت و اختلاط اس
 کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اس کے لئے انہوں نے ترک تعلقات
 اور رہبانیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن پروردگار عالم نے اپنے فضل و
 کرم سے اس فرسودہ رسم کا خاتمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لا رہبانیہ فی الاسلام اسلام میں رہبانیت اور انقطاع تعلق نہیں ہے نہ
 اس خلاف عقل و فطرت طریقہ کو ہر شخص اپنا سکتا ہے اور نہ یہ عمومی تزکیہ و
 تطہیر کا عمومی علاج و مداوی ہے۔ مفید و کار آمد وہی طریق ہے جو انسانی ذوق
 و فطرت کے موافق ہو۔ چنانچہ بیخ وقت نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا
 بے جس میں خلوت بھی ہے اور جلوت بھی ہے نا جنس جس لوگوں سے بالکلہ انقطاع
 اور احتراز بھی ہے اور ہم جنس ہم مشرب متقی پرہیزگاروں کے ساتھ اختلاط
 اور امتزاج بھی ہے تاکہ برے لوگوں کے برے اثرات کا ازالہ بھی ہوتا ہے
 اور نیک متقی پرہیزگار لوگوں کے اچھے اثرات اور انوار و برکات سے بھی محروم
 نہ رہے۔ اس جلوت نما خلوت کیلئے مساجد تعمیر کرانی گئیں جو روئے زمین پر خانہ خدا
 کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں وہی اشخاص و افراد آتے ہیں جو پابند نماز ہیں اور
 خدا پرست متقی و پرہیزگار ہیں جن کا اختلاط بھی باعث خیر و برکت ہے الجلیس
 الصالحین من العزلة زبک ہمیشہ تنہالی اور کیسوی سے بہتر ہے اور ان
 لوگوں کو مساجد سے دور رکھا جاتا ہے جو کفار و فساق و فجار، بے نمازی ہیں
 تاکہ اس حصار خداوندی میں آنے والے ان کے برے اثرات سے محفوظ
 و مامون رہیں۔ اور یہ مجاہدہ ریاضت بھی ایک دم نہیں کرایا جاتا کہ وہ نفس
 پر شاق اور گراں ہو بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ تھوڑی تھوڑی دور
 کے لئے دن میں پانچ مرتبہ کرایا جاتا ہے تاکہ جلوت و اختلاط کے برے اثرات
 بھی زائل ہوتے رہیں اور کار و بار زندگی بھی معطل اور بے کار نہ ہو چنانچہ
 ارشاد خداوندی ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا
 فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ
 اللَّهِ -

پس جب تم نماز پوری کر لو تو زمین
 میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کے رزق
 کی جستجو کرو۔

اب جب کہ یہ طلب معاش بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو اس کے
 عبادت و طاعت ہونے میں کیا شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ گویا دن بھر عبادت
 و طاعت ہی میں بسر ہو رہا ہے۔ کیوں کہ ایک نماز کے بعد جب دوسری نماز
 کا انتظار و اشتیاق ہو گا تو یہ وقت بھی نماز ہی میں شمار ہو گا اور اس دوران
 میں انسان سے جو بھی اعمال و افعال اور حرکات و سکنات سرزد ہوں گے
 وہ لامحالہ اطاعت و انقیاد ہی سے سرزد ہوں گے۔ اللہ و رسول کے اوامر
 و احکام سے طغیان و سرکشی کی جرأت و ہمت نہ ہوگی۔ اسلام میں خلوت میں بھی
 اجتماعی شان کو برقرار رکھا گیا ہے اور اس کا اس قدر اہتمام اور التزام لکھا
 گیا کہ محلہ کے تمام مسلمان دن میں پانچ مرتبہ محلہ کی مسجد میں جمع ہو کر اجتماعی طور
 پر نماز ادا کریں اور قصبہ کے تمام مسلمان ہفتہ بھر میں جمعہ کے دن مسجد جامع
 میں جمع ہو کر اجتماعی طور پر نماز ادا کریں۔ اور قصبہ اور قرب و جوار کے تمام
 مسلمان کسی بڑے میدان میں سال میں دو مرتبہ عیدین یعنی عید الفطر اور
 عید الاضحیٰ کے دو گانہ ادا کریں اور بلند آواز سے بکریں کہیں تاکہ اجتماعی شان
 و شوکت اور عظمت و رفعت نمایاں ظہور میں آئے اور مسلمان سر بلند رہیں
 کیوں کہ نماز دراصل اطاعت و انقیاد خداوندی کا عملی اعتراف و اعلان ہے
 جس اطاعت و انقیاد کا اقرار و اعلان کلمہ شہادت میں زبانی کیا تھا۔ یہ اس

کا عملی ثبوت و برہان ہے۔ اسی لئے مومن و کافر کے درمیان فرق و امتیاز نماز
 سے ہی ہوتا ہے۔ مومن و مسلمان نماز پڑھ کر اپنے اسلام و ایمان کا عملی ثبوت
 پیش کرتا ہے اور اپنے حزب اللہ سے ہونے کا برہان اظہار کرتا ہے۔ اور کافر
 و منافق اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوتا ہے اس لئے حزب اللہ سے دور رہتا
 ہے۔ پھر اس قدر عظیم الشان عبادت اور متمم بالشان، مجاہدہ و ریاضت میں
 بھی انسانی ضعف اور مجبوری کا پورا پورا الحاظ رکھا گیا تاکہ اطاعت و انقیاد
 میں اس کو گرانی اور ناگواری نہ ہو بطیب خاطر اس کا نفس مطیع و منقاد بنا رہے
 اگر مسجد تک جانے کی طاقت و استطاعت نہ ہو تو گھر پر یا جہاں کہیں بھی ہو
 جماعت سے نماز پڑھ لے اگر جماعت سے متعذر ہو تو تنہا نماز پڑھ لے
 اگر کھڑے ہو کر پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر بھی پڑھنے
 کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھ لے وضو کرنے پر قدرت نہ ہو یا
 پانی موجود نہ ہو تو وضو کی جگہ تیمم کر لے۔ جو کچھ نماز میں دعائیں اور تسبیحات یلحقین
 کی گئیں نہایت مختصر نہایت جامع اور آسان کہ ہر شخص ان کو سمجھ سکے اور پڑھ
 سکے اور جس قدر بھی قرآن مجید ان میں پڑھ سکے وہی کافی ہے بشرطیکہ تین آیت
 کے بقدر ہوتا کہ ذوق و نشاط ہر حال میں قائم رہے۔ محض نماز کی پابندی سے
 ساری شریعت کی پابندی سہل اور آسان ہو جاتی ہے نیک کاموں کی توفیق
 ہوتی ہے اور برائیوں سے نفرت و بیزاری ہوتی ہے بشرطیکہ نماز کو آداب و
 شرائط کی پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے اور اس کے مرتبہ اور مقام کے مناسب
 اس کا استقبال کیا جائے۔

نماز کی عظمت و رفعت

نماز کی عظمت و رفعت اور اہمیت و فوقیت کا اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے مستنقل دربار خاص رساجد خداوندی تعمیر کرائے گئے اور باقی مکانات اور عالی شان محلات پر ان کو فضیلت و فوقیت عطا کی گئی جن میں اہتمام اور التزام کے ساتھ حق سبحانہ و تعالیٰ کا متادی شب و روز میں پانچ مرتبہ اللہ کے بندوں کو پانچ مرتبہ بلا تامل اور اللہ رب العالمین کی بارگاہ خاص میں حاضری کی دعوت دیتا ہے یہی نماز کی اصل حقیقت ہے کہ یہ اپنے پروردگار کے خاص دربار میں شرف باریابی سے اور مالک الملک احکم الحاکمین خالق کائنات رب العالمین سے شرف مناجات و ہم کلامی سے اور بارگاہ خداوندی کی خصوصی حاضری ہے۔ نماز کی اپنی نماز میں اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے اور اپنی معروضات بارگاہ ایزدی میں پیش کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان اخداکم اذا صلی بنا جی جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا

رہتا (رواہ البخاری) ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے

اس مناجات کی تفصیلی کیفیت مسلم شریف کی ایک حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ نماز میرے اور میرے بندہ کے درمیان نصف نصف تقسیم ہے اور میرے بندہ کے لئے ہے جو وہ مانگے۔ پس جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے

اور جب بندہ کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندہ
 نے مجھ پر ثنا بھیجی ہے پھر جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین تو اللہ تعالیٰ
 فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری عظمت و کبریائی بیان کی ہے اور جب
 بندہ کہتا ہے کہ ایک نعبہ و ایک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے
 اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کے لئے ہے جو
 وہ مانگے۔ پھر جب کہتا ہے ابدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم
 غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ
 کے لئے ہے اور میرے بندہ کے لئے ہے جو وہ مانگے (مسلم شریف)
 یہ مومن و مسلمان کے لئے ہے۔ وہ عروج و ترقی سے کہ اس دنیوی
 زندگی میں اس سے زیادہ عروج و پرواز نصیب نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الصَّلَاةُ بِمَعْرَاجِ الْمُؤْمِنِ نماز مومن اور مسلمان کی معراج ہے
 اس سے بڑھ کر اور عروج و کمال کیا ہو سکتا ہے کہ ایک حقیر خوار بارگاہ
 ذوالجلال میں باریاب ہے۔ جو اس خاکستان میں شرف باریابی سے سرفراز
 ہو گیا وہ عالم آخرت میں بھی دیدار خداوی سے شاد کام و سرفراز ہو گا۔ کیونکہ
 یہ دنیا آخرت کے لئے عالم مثال ہے۔ اور جو شخص زندگی میں بارگاہ خدا
 وندی کی حاضری اور حضوری سے محروم رہا تو آخرت میں اس نعمت عظمیٰ
 سے سرفرازی مستبعد بات ہے۔

نماز کے اندر مختلف حالات ہوتے ہیں قیام بھی ہے رکوع بھی ہے اور

سجدہ بھی ہے۔ ان حالات میں بارگاہِ خداوندی میں سب سے زیادہ قریب
سجدہ کی حالت میں حاصل ہوتا ہے کیوں کہ یہ بندگی کا عین مقتضاء ہے اور
بندہ کی طرف سے اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار ہے۔ اسی لئے
سجدہ صرف اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہے غیر اللہ کے لئے کسی حال
اور کسی نوعیت سے بھی سجدہ روا نہیں ہے بندگی کے سراسر منافی ہے۔ اسی
لئے سجدہ کو بارگاہِ خداوندی میں انتہائی تقرب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد
خداوی ہے: **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** اور سجدہ کر اور قریب تر ہو جا اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اقتراب ما یکون العبد من
سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے پروردگار
رب و ہو ساجدا۔ (نزہۃ النظر)

ایک صحابی نے ایک مرتبہ بارگاہِ نبوی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ
میرے لئے دعا فرمادیں کہ قیامت میں مجھے آپ کی شفاعت اور رفاقت
حاصل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اے نبی! اکثرۃ السجود تم اس بارے میں بکثرت سجدوں سے میری اعانت
کر یعنی جنت کی رفاقت کا حصول تمہاری معاونت پر موقوف ہے تم دنیا
میں جس قدر کثرت سے سجدے کرو گے یعنی نمازیں پڑھو گے اسی قدر
تمہیں بارگاہِ رب العزت سے تقرب حاصل ہوگا۔ اور جس قدر بارگاہِ خداوندی
سے تقرب حاصل ہوگا اسی قدر اس کے رسول کی رفاقت حاصل ہوگی۔ اس
کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر کثرت سے نمازیں پڑھے گا اور بارگاہِ خداوندی

میں سجدے کرے گا اسی قدر آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے اس سر
کو یہاں جس قدر اپنے مولیٰ کے سامنے پائیمال کیا ہے۔ اسی قدر یہ سر آخرت
میں سر بلند اور سر فرزند ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما عن مسلم ویدجد اللہ عز وجل سجدة الا رفعہ اللہ تہ الی بہا درجہ وخط عنہ بہا خطیئة۔ (نزہۃ الناظرین)

جو بھی مسلمان اللہ عزوجل کے لئے ایک
سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی وجہ
سے اس کا ایک درجہ بلند فرماتے
ہیں اور اسکی ایک خطا معاف فرماتے ہیں

نماز مختلف حالات پر مشتمل ہے۔ قیام۔ رکوع۔ سجود اور قعود ان ہی حالت
میں اللہ کے فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔
بعض فرشتے قیام کے مامور ہیں اور بعض دیگر رکوع کے مامور ہیں اور بعض
دیگر سجود کے مامور ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان تمام حالتوں
کو نماز میں جمع فرما کر مسلمانوں کو اس اشرف ترین عبادت کا امر فرمایا ہے گویا
ایک نماز ادا کرنے میں ان تمام طریقوں سے عبادت خداوندی ادا ہو گئی
جن میں اللہ تعالیٰ کی مقرب ترین نورانی مخلوق فرشتے مشغول تھے اور ان
سب کی مشابہت تام ہو گئی۔ اسی طرح نماز میں وہ سارے طریقے بھی مجتمع
ہو گئے جو اظہار تعظیم کے لئے کبھی ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑے ہونے ہیں تو یہ
قیام سے۔ اور کبھی فرط ادب سے سامنے جھک جاتے ہیں یہ رکوع ہے۔ اور
کبھی غایت تعظیم سے سر سامنے ڈال دیتے ہیں۔ یہ سجود ہے اور کبھی دو زانو
ہو کر ادب کے ساتھ سامنے بیٹھ جاتے ہیں یہ قعود ہے۔ اور نماز ان حالات

پر حسن تربیت کے ساتھ مشتمل ہے۔ اس طرح نماز عبادت اور اظہار عظمت و رفعت کے ان تمام طریقوں کو جامع ہو گئی جو فرشتوں اور انسانوں میں متعارف اور رائج ہیں۔ پہلی امتوں میں کسی امت کو نماز فجر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دوسری امتوں کا دیگر نمازوں کا حکم دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو پانچوں نمازوں فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح تمام مل سابقہ کی نمازین بھی ادا ہو گئیں اور ان تمام اوقات میں عبادت ادا ہو گئی جو عبادت خداوندی کے مناسب تھے اور شب و روز کے اوقات کا احاطہ ہو گیا۔ خالق کائنات پروردگار موجودات نے ایک ذرہ بے مقدار انسان کو وجود بخشا۔ پھر اپنے ساتھ ربط و تعلق قائم فرما کر اس کو اشرف مخلوقات قرار دیا۔ اس ربط و تعلق اور بندگی کے انتساب کا فطری تقاضا ہے کہ انسان اپنے مالک اور اپنے خالق اور اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہو اور اپنی معروضات و حاجات اس کی بارگاہ میں پیش کرے اور اس کی عظمت و کبریائی اور اپنی بندگی اور بے چارگی کا اس کے روبرو بلا اظہار و اعتراف کرے۔ تاکہ جذبہ بندگی کی تسکین ہو اور تعلق خداوندی کی تکمیل ہو اور اپنے مالک خالق پروردگار کے بے شمار حد و نہایت احسانات کافی الجملہ شکر ادا ہو جائے۔ کیوں کہ محسن کی شکر گذاری انسان کا فطری و طبعی تقاضا ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے انعامات بے حد و نہایت ہیں وَ اِنَّ تَعْبُدُوْا اِنْعَمَةَ اللّٰهِ لَا تَحْصُوْهَا وَاِنَّكُمْ لَرٰكِبُوْنَ اَعْنَاقِهَا تَمَّ اللّٰهُ كَيْفَ تَشْكُرُوْنَ اور ان کو شمار کرو گے تو ان کو شمار نہ کر سکو گے۔ اس جذبہ کو پورا کرنے کے لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نماز کو فرض

فرمایا تاکہ اگر از خود کسی کو توفیق نہ ہو تو امر ربانی کی وجہ سے ہر ایک فریضہ بندگی سے سبکدوش ہو جائے۔ یہ مومنوں کے لئے اس دنیا میں منتہائے معراج سے کہ ایک ذرہ خاک کو ملاء اعلیٰ پر پہنچا دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ نماز کی اصل تین امور ہیں۔
۱۱ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت و جلال کے ملاحظہ سے قلب میں خشوع و

خشوع پیدا ہو۔

۱۲ اس عظمت و خشوع کی عمدہ عبارت میں زبان سے ترجمانی ہو۔
۱۳ اس عظمت و خشوع کے مناسب باقی تمام بوارح تعظیمی افعال بجالاتے ہیں تعظیمی افعال میں سے سے کہ اس کے روبرو ادب سے کھڑا ہو اور اپنی حاجات پیش کرے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی عظمت و کبریا کی شعور کر کے اسکے سامنے اپنا سر جھکا دے کیوں کہ گردن کا اٹھانا عرف و عادت میں یکبر اور بڑائی کی علامت ہے اور اپنی گردن کو جھکانا عجز و انکساری کی علامت ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے سر کو جو اشرف اعضاء اور مجمع حواس سے اس کے سامنے ڈال دے۔ یہ تعظیمی امور ہیں جو انسانوں میں راجح اور شائع ہیں ان ہی امور سے وہ عبادت کرتے ہیں اور ان ہی امور سے سلاطین کی تعظیم کرتے ہیں۔ اب نماز تعظیم کی بجا آوری کی بہتر صورت ہے۔ کیوں کہ یہ تعظیم کے تینوں طریقوں کو جامع ہے اور اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے جس قدر خشوع و خضوع کا شعور بڑھتا گیا اسی قدر ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی حاصل ہوتی اور تعظیم و تکریم میں اضافہ ہوتا گیا۔

اس ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی میں وہ فائدے متصور ہیں جو محض اعلیٰ تعظیم پر اکتفا کرنے یا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اترنے میں حاصل نہیں ہو سکتے۔ نماز کو تمام اعمال صالحہ اور عبادت و طاعات کی جڑ اور بنیاد قرار دیا گیا اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت میں غور و فکر یا حق تعالیٰ کے دائمی ذکر کو ال قرار نہیں دیا گیا۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر صرف ان ہی لوگوں سے ہو سکتا ہے جن کے نفوس بہت ہی عالی اور پاکیزہ ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

اس کے علاوہ اگر وہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر کرے گا تو حیران ہو جائے گا اور اپنی اصل پونجی بھی کھو دے گا چہ جائیکہ کوئی مزید ترقی ہو۔ اور کسی تعظیمی کام میں متنوع لیت اور مصروفیت کے بغیر محض ذکر اللہ کرنا اکثر لوگوں کے حق میں فائدے سے خالی ہے۔

نماز ایک معجون مرکب سے جس میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت میں غور و فکر بھی ہے۔ اور ایسی دعائیں بھی ہیں جو عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کر دیں اور نفس کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے اس سے وابستہ کر دیں اور وہ تعظیمی افعال رکوع و سجود وغیرہ بھی ہیں جو اس حالت کے معین و مددگار ہوں۔ اس لئے نماز ہر خاص و عام کے لئے مفید ہے اور ایسا فو کی تاثیر تریاق سے جو ہر ایک کو اس کی استعداد اور صلاحیت کی بقدر فائدہ پہنچاتا ہے اور ترقی دیتا ہے نماز مومن کے لئے بمنزلہ معراج سے جو اس کو آخرت کی تجلیات باری کے تحمل کے لئے تیار کرتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے ”مُعْتَرِبٌ تَمَّ اسِنِي بِرُودِ دُكَّارِ كِي زِيَارَتِ كِرُو كِي لِهَذَا فِجْرٍ اَوْ عَصْرِ
 كِي نَمَازُوں مِيں كُو تَا هِي نَه كِرُو“ نَمَازِ حَقِّ تَعَالَى كِي مَحَبَّتِ پيدا كِرُنِي اَوْ رَاسِ كِي
 رَحْمَتِ نَازِلِ هُونِي مِيں بَرْسِي تَاثِيرِ كِهوتِي مِيں رَحْمَةُ اللّٰهِ الْبَالِغَةُ جِلْدِ اَوَّلِ ص ۲۷
 الْبَدْوَرِ الْبَاذِعَةِ مِيں حَضْرَتِ شَاهِ وَلِي اللّٰهِ صَاحِبِ نَمَازِ كِي حَقِيقَتِ
 كُو اس طَرَحِ وَاَضَحِ فَرْمَايَا۔

وَشَرْطُ صِحَّتِهَا النِّيَّةُ وَاَصْلُ اخْلَاطِهَا
 اِنْعَالُ صَادِرَةٍ مِّنْ قَلْبِ امْتِلَاعِ
 اِيْمَانًا بِاللّٰهِ تَعَالَى وَرَغْبَةً اِلَى اللّٰهِ
 تَعَالَى وَتَعْظِيمًا لِّهِ۔
 اور نَمَازِ صَحِيحِ هُونِي كِي شَرْطِ نِيَّتِ اِرَادِهِ
 مِيں اَوْ نَمَازِ كِي اَصْلِ عُنَا صِرُوهُ اِفْعَالِ
 مِيں هُو اِس قَلْبِ كِي صَادِرِ هُونِي مِيں هُو اللّٰهِ
 كِي تَقِينِ اَوْ رَا اللّٰهِ كِي سَعِيَّتِ اَوْ اللّٰهِ كِي تَعْظِيمِ
 سِي بَرْسِي۔

ذُرُوعَاتِ كَامِلَةٍ تَامَةٍ فَرَجِبِ
 التَّكْبِيرِ اِبْتِدَاءً تَوْثِيقًا بِالنِّيَّةِ وَ
 الْاِخْلَاصِ وَتَعْبِيرًا عَنْهَا وَاِقَامَةَ
 الْفِعْلِ الْمُنْتَبِطِ مَقَامِ الْوُجُودِ
 اِنْ الْحَقُّ وَوَجِبِ الْقِيَامِ وَ
 الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ لَانْهَآ اِنْعَالُ
 تَدَلُّ عَلَى التَّعْظِيمِ وَكَرَرَتِ
 السُّجُودُ لَانْهَآ غَايَةُ التَّعْظِيمِ
 فَوْجِبِ تَكَرَّرِهَا۔
 اور وَهُوَ دَعَائِيں هُو كَامِلِ وَرَتَمَامِ مِيں اِسِي
 لِي اِبْتِدَاءِ مِيں تَكْبِيرِ ضَرْوِي هُونِي نَمَا كِه اِس سِي
 نِيَّتِ اِخْلَاصِ كِي تَوْثِيقِ هُو جَانِي اَوْ نِيَّتِ
 اِخْلَاصِ بَانِ كِي اَوْ هُو جَانِي وَرَانَ اِفْعَالِ كُو
 بِجَالَانَا سِي هُو حَقِيقِي وَحَدِ اِنْ كِي قَامَتِ مَقَامِ هُونِ
 اَوْ رَقِيَامِ وَرُكُوعِ وَسُجُودِ ضَرْوِي سِي كِيُوں كِه
 يِه تَمْنِيُوں قَوَالِ تَعْظِيمِ رِي لَاتِ كِرْتِي مِيں اَوْ
 سُجُودِ كُو اسلِي مَكْرَرِ كِيَا كِيَا كِه اِس مِيں غَايَتِ تَعْظِيمِ
 سِي لِهَذَا اس كَا بَار بَار كِرْنَا ضَرْوِي هُو۔

(البدور البازغت)

(البدور البازغت)

پس معلوم ہو گیا کہ نماز کی اصل اپنے پروردگار خالق مالک کے ساتھ جذبہ تعلق بندگی کی ایسی طرح ادائیگی سے جس سے قلب میں محبت و عظمت و معرفت پیدا ہو اور زبان سے حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس بیان ہو اور جوارح سے ایسے افعال و ارکان سرزد ہوں جو تعظیم و تکریم کے لئے مخصوص ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی الخیر الکثیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

ر صورتہانی صرافۃ النفس اور نماز کی صورت نفس انسانی میں جذبہ

الافت سے اور اسکی وجہ سے قوتہ مدرکہ اور

قوتہ دائمہ میں محبت پیدا ہوتی ہے اور قوتہ

خیالیہ میں تعظیم اور زبان میں حمد اور

تسبیح و تقدیس اور قالب انسانی میں وہ

افعال و ارکان جو تعظیم کیلئے خاص ہیں۔

مخصوصہ (الخیر الکثیر)۔ اس مختصر بیان سے نماز کی غرض و غایت بخوبی واضح ہو گئی اور اگر کوئی بھی غرض

و غایت نہ ہو تو یہ بات بالکل کافی ہے کہ یہ بندوں پر فریضہ خداوند اور شہوہ

بندگی ہے۔ بندہ کا کام ہی اطاعت و فرمانبرداری سے اور اولیٰ بندگی

ہے اس نعمت عظمیٰ سے وہی شخص اعراض و انحراف کر سکتا ہے جس کا قلب

شقاوت و قساوت اور نجاست و غلاظت اور تعصب و عناد سے بھرا ہوا ہے

”نماز کی جامعیت“

نماز جس طرح تمام تعظیمی امور پر مشتمل ہے اسی طرح تمام انواع اذکار کو

بھی جامع ہے جن کے ذریعہ اللہ رب العزت کو یاد کیا جاتا ہے اور طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے۔ الا بد ذکر اللہ تطمئن القلوب۔ خبر دار رہو صرف اللہ کے ذکر سے قلوب اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ نماز ذکر اللہ کے اکثر شعبوں کو جامع اور حاوی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا بار بار ورد بھی ہے اور تکبیر و تقدیس اور تسبیح و تہلیل بھی ہے اور جامع دعائیں بھی ہیں اور توبہ و استغفار بھی ہے اور صلوٰۃ و سلام بھی ہے۔ اور یہی وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ اللہ رب العزت کو یاد کیا جاتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اللہ رب العالمین کی یاد کا بہترین افضل ترین طریقہ نماز ہے جس قدر نماز سے وابستگی اور دل بستگی ہوگی اسی قدر بارگاہ رب العزت سے تقرب اور تعلق قائم ہوگا اور اسی قدر کمال بندگی سے آراستگی ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ جس قدر تاکید اور ترغیب نماز کی ہے۔ وہ دیگر عبادات کی نہیں ہے اور جو عظمت و فضیلت نماز کو حاصل ہے وہ دیگر عبادات کو حاصل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَا تَرْضَىٰ اللَّهُ عَلَىٰ خَلْقِهِ
بَعْدَ التَّوْحِيدِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنَ
الصَّلَاةِ وَلَا كَانَ شَيْخٌ أَحَبُّ
إِلَيْهِمْ مِمَّا تَعْبُدُ بِهَا مَلَائِكَةٌ
فَمَنْ هَمَّ بِرَأْسِهَا كَعَمِّهِ وَسَاجِدٌ وَقَامٌ
وَقَاعِدٌ -

اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد جو امور اپنی
مخلوق پر فرض قرار دیے ان میں اللہ تعالیٰ
کے یہاں نماز سب سے زیادہ محبوب
پسندیدہ ہے اگر کوئی دوسری عبادت
اس سے زیادہ پسند ہوگی تو اللہ کے فرشتے
نماز سے عبادت نہ کرتے کیونکہ بعض فرشتے

(نزہۃ الناظرین) رکوع میں ہیں۔ اور بعض دیگر سجود میں

اور بعض قیام و قعود میں ہیں۔

یہ ہے وہ منتہائے شرف و عزت کا مقام جو خالق جل جلالہ کی جانب سے مخلوق کو اس عالم مثال میں عطا کیا گیا ہے جو عالم آخرت کے لئے مخصوص ایک مثالی نمونہ ہے حضرت شیخ احمد سرسندی مجدد الف ثانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ دنیا میں نماز کا رتبہ ایسا ہے جیسے آخرت میں دیدار خداوندی سے دنیا میں انتہائی قرب خداوندی نماز میں حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں انتہائی قرب دیدار خداوندی کے وقت نصیب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام عبادات نماز کے لئے بمنزلہ وسائل اور ذرائع ہیں اور نماز خود مقاصد میں سے ہے۔ (مکتوب نمبر ۱۱ جلد اول)۔

پس جب اپنے پروردگار کی یاد کا جذبہ پیدا ہو اور اس کی بارگاہ میں حاضری اور حضوری کا شوق ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز میں مشغول ہو جائے ارشاد باری ہے۔

اقْبِرِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي - قائم کرو تم نماز کو میری یاد کے لئے

اسی لئے فرض نمازوں کی محافظت کا حکم دیا گیا ہے تاکہ کوئی فریضہ اس شرف و عزت سے محروم نہ رہے اور اپنے پروردگار کی یاد سے غافل نہ رہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

حَافِظُوا عَلَي الصَّلَاةِ - تم نمازوں پر محافظت رکھو۔

جس طرح آب و دانہ مادی غذا میں انسانی جسم کی نشوونما اور تقویت کیلئے

ضروری اور لابدی ہیں اور انسانوں کو ان کے کھانے پینے کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں بے اعتدالی سے باز رکھا گیا ہے کہ صحت جسمانی خراب نہ ہو جائے۔
 کَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِخُوا۔ تم کھاؤ اور سوؤ لیکن اس میں اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔ اسی طرح روح انسانی کی نشوونما تقویت اور ترقی و عروج کے لئے نماز کے بغیر چارہ نہ تھا اسی لئے دن میں پانچ مرتبہ نماز کو فرض کیا گیا تاکہ انسان کی روح مضحمل اور بے کار ہو کر طاقت پر وان سے محروم نہ ہو جائے مادی کثافت ہمیشہ مغلوب رہے۔ ارشادات ربانی میں اقامت نماز اور محافظت نماز کا حکم فرمایا گیا ہے اور نماز کی اصل اقامت اور اصل محافظت یہ ہے کہ نماز کو پورے شعور کے ساتھ نماز کی طرح ادا کیا جائے اور نماز کا حق پورا پورا ادا کیا جائے ورنہ پھر وہ نماز کی محافظت نہیں ہے بلکہ اس کی اضاعت سے نماز کا قیام و بقا نہیں ہے اس کا فنا ہے چنانچہ ایسے نمازیوں کے لئے ہلاکت و خسران ہے جو نماز کو غفلت و مدہوشی اور لاپرواہی و بے توجہی سے ادا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ۔
 پس ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔

ظاہر ہے شامی و باروں میں حاضری اسی وقت نتیجہ خیز ہوتی ہے جب آداب مجلس بجائے۔ اور مزدور کی اجرت اسی وقت دی جاتی ہے جب وہ کام صحیح طریقہ پر کرنے۔ نماز کا حق اس وقت ادا ہوتا ہے جب اس میں چار امور کی حفاظت و نگرانی کی جائے۔ اول طہارت جسم یعنی لباس و جسم کا نجاست

و ناپاکی سے پاک و صاف ہونا۔ پاک لباس پہننے اور تمام سنن و مستحبات کی پابندی کرتے ہوئے وضو کرے۔ جسم کو ظاہری گندگی سے پاک و صاف کرے اور قلب کو باطنی گندگی سے توبہ و استغفار کے ذریعہ پاک و صاف کرے۔ ایسی طہارت و نظافت ایمان کا نور ہے جو جسم کو نورانی بنا دیتی ہے اور قلب میں روشنی اور صفائی پیدا کر دیتی ہے اور انسان کو اس سے لبثائت و فرحت حاصل ہوتی ہے اور دل میں ایک قسم کا کیف و سرور محسوس ہوتا ہے جو اس طہارت کے صحیح ہونے کی علامت ہے اور ایمان کا جزو اعظم ہے۔

الظہور نصف الایمان یاکی نصف ایمان ہے۔

ایمان کا خلاصہ ہے ظاہری اور باطنی نجاست و غلاظت سے پاکیزگی اور اور صفائی۔ اور اعمالِ حسنہ سے آراستگی ہے۔ تو وضو کی وجہ سے نصف ایمان حاصل ہو گیا کیوں کہ وضو سے ظاہری اور باطنی دونوں نجاستوں کا ازالہ ہوتا ہے اور گناہوں کے اثرات ظاہر و باطن سے دہل جاتے ہیں۔ دوسرے نماز کی ادائیگی میں تمام فرائض اور واجبات و سنن و مستحبات کا التزام رکھنا۔ نماز کامل جب ہوتی ہے جب ان چاروں امور کو پورے طور پر ادا کیا جائے ان کا نقصان دہی نماز کا نقصان دہی ہے۔ اسی لئے ان امور کو وضاحت کیسا تمھ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اور اولیاء کرام نے ان کی پابندی کی ہے۔ اگر غفلت و لاپرواہی سے کسی سنت اور مستحب کو بھی ترک کر دیا تو وہ نماز قبولیت کے ثبایان نہیں ہے بلکہ ردی خراب کپڑے کی طرح رد کر دی ،

جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں بارگاہ خداوندی کی حاضری کے ظاہری آداب و انہیں
کئے گئے۔ ایسے نمازیوں کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔ "کتنے ہی نمازی ایسے ہیں کہ
ان کے لئے ان کی نماز سے مشقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

جس طرح وضو، تمام وکامل سے دل میں نور و سرور محسوس ہوتا ہے۔ اور نشاۃ
و فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز کے اندر تمام فرائض، واجبات سنن اور
مستحبات کی ادائیگی سے بھی قلب کی پاکیزگی اور صفائی ہوتی ہے۔ اور دل میں نور و سرور
محسوس ہوتا ہے۔ اور نشاۃ و فرحت حاصل ہوتی ہے جو نماز کے صحیح طور پر ادا
ہونے کی علامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الصَّلَاةُ نُورٌ۔ نماز نور ہے۔

اور اسی جانب اس ارشاد نبوی میں اشارہ ہے۔

قُرَّةٌ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

تیسرے حضور قلب یعنی نماز میں جو کچھ تم کر رہے ہو یا زبان سے کہہ رہے
ہو دل اس کا معترف اور ہم نوا ہو۔ اور اول سے آخر تک پوری نماز اسی طرح
ادا کی جائے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو اور غیر کبجا متوجہ
نہ ہو۔ اسی کا نام حضور قلب ہے جس کے بغیر نماز ناقص و ناتمام ہوتی ہے ارشاد نبوی ہے
لَا صَلَاةَ إِلَّا بِحَضْرَةِ الْقَلْبِ حضور قلب کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی

اسی کیفیت کو ارشاد نبوی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

الاحسان ان تعبد الله احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی طرح

عبادت کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے

لَوْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔

(سداۃ البخاری)

اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ
تجھے دیکھ رہا ہے۔

غرض نماز میں جو لمحہ بھی غیر کے ساتھ گزرے گا وہ نماز میں شمار نہ ہوگا
بلکہ خارج نماز شمار ہوگا۔ نماز حضور قلب سے ہوتی ہے جب قلب حاضر نہیں
رہا اور غیر میں مشغول ہو گیا تو نماز کی اصل حقیقت فوت ہو گئی محض صورت شاہ گئی
چوتھے اپنے رخ کو بیت اللہ کی طرف رکھے تاکہ توجہ تام ہو جائے
اور طبیعت میں پراگندگی اور انتشار نہ رہے۔

اسی لئے نماز کے لئے جہت کو مقرر کیا گیا ہے۔ اگر جہت متعین نہ ہوتی
تو دل کو کسی طرح سکون و قرار نہ ہوتا اور ہر دم حیرانی و پریشانی رہتی کہ اپنے
پروردگار کو کس جانب تلاش کروں۔ یہ محض بندوں کی آسانی اور دل جمعی کے
لئے ہے ورنہ اللہ رب العالمین جہت اور مکان سے مستغنی اور بے نیاز ہے
اور ہر سمت جلوہ فرما رہے۔ جو کچھ اسے نظر آ رہا ہے اسی کے صفات کمال کا
ظہور و شہود ہے۔

إِنَّمَا تَوَلَّوْا فَنَحْنُ رَحْمَةُ اللَّهِ

تم جہت بھی رخ کرو اسی طرف اللہ کی سمت ہے
پس چہرہ کا رخ کعبہ اللہ کی جانب ہو جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ
ہے اور دل کا رخ رب کعبہ کی طرف ہو جو زمین اور آسمانوں کا خالق ہے
ان امور کی پابندی کے بعد نماز صحیح معنی میں نماز شمار ہوگی۔ اور نماز کی اقامت
اور نمازوں کی محافظت کا ایک گونہ حق ادا ہوگا۔ یہی وہ نماز ہے جو مومن
کے لئے معراج اور منتہائے ترقی و پرواز ہے کیوں کہ اس میں بارگاہ رب العالمین

کی حاضری اور حضوری ہے اور اللہ رب العزت سے شرف ہم کلامی اور مناجات
میں۔ اپنی بندگی بے چارگی۔ غلامی و فاداری اطاعت شعاری اور عجز و انکساری
کا قلب اور جوارج سے اعتراف و اعلان ہے اور اپنے فرط تعلق و محبت کا
اظہار ہے۔ جو بندگی کا اصل سرمایہ ہے اور زندگی کا اصل مقصود ہے۔

ان امور میں اصل اصول اور اہم امور نماز کے فرائض۔ واجبات سنن
و مستحبات کا التزام و اہتمام ہے۔ اسی سے اخلاص پیدا ہوتا اور اسی سے
حضور قلب حاصل ہوتا ہے۔ وضو کی بھی اس سے تکمیل ہوتی ہے۔ اور نماز بھی
اسی کے ساتھ مکمل تمام ہوتی ہے۔ جب وضو کے تمام فرائض۔ واجبات سنن
و مستحبات ادا کر دیئے تو وضو مکمل ہو گیا اور جب نماز کے تمام فرائض واجبات
سنن و مستحبات ادا کر دیئے تو نماز مکمل اور تمام ہو گئی۔ اور اسی کا ہر بندہ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی زحہ تحریر فرماتے ہیں کہ
فقیر کے نزدیک نماز کی تمامی اور کمال یہ ہے کہ نماز کے ان فرائض۔ واجبات
سنن اور مستحبات کو پورا ادا کرے جو کتب فقہ میں مفصل بیان کئے گئے ہیں۔ ان
چاروں امور کے علاوہ کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کو نماز کی تکمیل میں دخل ہو نماز
کا خشوع بھی ان ہی چار امور میں مندرج ہے اور حضور قلب بھی ان ہی کیساتھ
وابستہ ہے۔ بعض لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں لیکن اس کے موافق
عمل میں سستی کرتے ہیں جس کی وجہ سے لامحالہ نماز سے پورا حصہ نصیب
نہیں ہوتا۔

اور دوسرے بعض لوگ حضور قلب کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اعمال

تعظیمی کی پروا کم کرتے ہیں اور فرائض و سنن میں اقتصار کرتے ہیں۔
یہ جماعت بھی حقیقت نماز سے آگاہ نہیں ہے اور کمال نماز کو غیر نماز سے
تلاش کرتی ہے کیوں کہ انہوں نے حضور قلب کو احکام نماز سے شمار نہیں کیا
ہے۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ اربے حضور قلب نماز نہیں ہے۔ اس سے مراد ان چاروں
امور میں قلب کا حاضر رہنا ہے تاکہ ان میں کسی قسم کا فتور نہ آئے۔ اس حضور
کے علاوہ کوئی دوسرا حضور اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا مکتوب نمبر ۳۲
جلد ۱۔ اس کیفیت حضور کو پیدا کرنے کے لئے دو امر کی ضرورت
ہے۔

اول یہ کہ ہر فرض و واجب سنت و مستحب کو سکون و اطمینان
کے ساتھ ادا کیا جائے اور ہر رکن کو پورا پورا ادا کرے۔
دوسرے یہ کہ ہر فرض و واجب سنت اور مستحب کی ادائیگی کے وقت
اس کی عظمت و حرمت کا دھیان و یقین ہو اور اس کے اجر و ثواب کی
طلب اور آرزو ہو جس قدر ان امور میں افرزدلی ہوگی اسی قدر یہ عبادت
مقبول اور تمام ہوگی۔

اس مختصر بیان سے نماز کی قدرے حقیقت اور عظمت و رفعت آشکارا ہو
گئی اور معلوم ہو گیا کہ ادا نئے عبادت کے لئے اس سے بہتر اعلیٰ اور سہل و آسان
طریقہ نہیں ہو سکتا۔

”فرض نمازوں کی ضرورت اور اہمیت“

انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے حتیٰ کہ اس کی جان اور..... اس کا وجود اور

اس کے ہاتھ۔ پیر۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ حواس۔ ادراک۔ شعور۔ عقل و فہم۔
 مال و متاع۔ قوت و طاعت غرض کوئی بھی شے اس کی اپنی ایجاد نہیں ہے
 بلکہ اللہ رب العالمین کی عطا کی ہوئی نعمتیں ہیں۔ جن سے یہ ہر وقت ^{مستفیع} مستفیع ہو رہا
 ہے۔

جس مولائے کریم نے انسان کو سب کچھ عطا فرمایا اس کے لئے شمار انعامات
 اور احسانات کا مقتضی یہ تھا کہ انسان جو بیس گھنٹہ ہر آن ہر لمحہ اس کی رضا و
 خوشنودی اور وفاداری و فرماں برداری اور عبادت و بندگی میں مشغول
 رہے۔ اور ہر وقت اس کے دربار میں حاضر باش اور ہر خدمت کے لئے
 مستعد و تیار رہے اور کوئی لمحہ غفلت و مدہوشی اور بے توجہی و لاپرواہی میں
 نہ گزرے جب ایک شخص کسی کو چند روپے ماہوار پر ملازم رکھتا ہے تو اس سے
 کس قدر مستعدی فرض شناسی۔ وفاداری۔ جان نثاری۔ حاضر باشی اور اطاعت
 و فرماں برداری کا خواہاں ہوتا ہے اور ذرا ذرا کوتاہی پر کس قدر باز پرس کرتا
 ہے اور بگڑتا ہے حالانکہ وہ شخص خود اپنی ضروریات پورا کرنے کیلئے ملازم کا محتاج
 ہوتا ہے اور یہ ملازم کا بڑا کرم ہے کہ اس نے چند سکوں کے عوض اپنی جان عزیز امانت
 کے حوالے کر رکھی ہے۔ پھر وہ پروردگار عالم جس کی انسان مخلوق ہے۔ مملوک ہے
 اور سراپا شرمندہ احسان ہے اور ہر وقت اس کی گونا گوں نعمتوں سے سرفراز
 اور مالا مال ہے۔ اور وہ اس سے ہر طرح مستغنی اور بے نیاز ہے محض اپنے
 کرم سے اس کی پرورش فرما رہا ہے وہ مالک حقیقی قادر مطلق مالک الملک احکم
 الحاکمین اگر انسان سے ہر وقت کی حاضر باشی و جان نثاری۔ فرض شناسی و وفاداری

اور اطاعت و فرماں برداری کا خواہاں ہو تو اس میں کیا استبعاد ہے؟ اور انسان سے اس میں کوتاہی پر باز پرس کی جائے تو اس کے پاس کیا عذر ہے؟ اسی لئے معراج میں ابتداءً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کی امت پر شب و روز میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں تاکہ ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کی تیاری میں مشغول ہو جائے اور کوئی وقت اطاعت اور عبادت خداوندی سے خالی نہ گزرے۔

لیکن اس سے معاشی اور مادی امور معطل و بے کار ہوتے تھے۔ اس لئے رحمت خداوندی کا تقاضہ یہ ہوا کہ نمازوں میں تخفیف کی جائے۔ پھر تخفیف بھی اس حد تک کر دی گئی کہ پچاس کے بجائے صرف پانچ نمازیں رہ گئیں اور وہ بھی محض صوری تخفیف کی گئی کیوں کہ ان پانچ نمازوں کو اپنے فضل و کرم سے اجر و ثواب اور اثرات و ثمرات میں پچاس نمازوں کے قائم مقام کر دیا گیا اب جس شخص نے شب و روز میں پانچ فرض نمازیں ادا کر لیں اس نے گویا شب و روز میں پچاس نمازیں ادا کیں اور پچاس دفعہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللعالمین میں تحریر فرماتے ہیں: "نماز کا اصل مقصد بارگاہ خداوندی کے شہود و حضور میں غور و خوض اور فرشتوں کے ساتھ عبادت میں شرکت و شمول ہے۔ اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ نماز پر مداومت نہ کی جائے اور ہر وقت نماز کا التزام نہ رکھا جائے اور بکثرت نمازیں نہ پڑھی جائیں تاکہ ان سے ان کے بوجہ ملکہ ہوں اور یہ بات ممکن نہیں کہ بندوں کو ایسی بات کا حکم دیا جائے"

جس سے مادی ترقیات رک جائیں اور بالکل بے کار ہو جائیں اس لئے حکمت الہی کا تقاضا یہ ہوا کہ بندوں کو نماز کی محافظت کا حکم دیا جائے اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز کا خوگر بنایا جائے تاکہ نماز پڑھنے سے پہلے نماز کا انتظار اور اسکی تیاری اور نماز سے فارغ ہونیکے بعد نماز کا بقیہ رنگ اور سابقہ نور بھی نماز کے حکم میں ہو جائے اور یہ درمیان وقفہ کے غفلت کے اوقات بھی چشم پوشی سے ذکر اللہ میں شامل کر دیئے گئے اور اللہ کی اطاعت کیساتھ تعلق خاطر شمار ہو گئے پس مسلمان کی مثال اس گھوڑے جیسی ہے جو اپنے تھکان بندھا ہوا ہوا اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد چراگاہ میں چرتا ہو پھر اپنے تھکان پر واپس آجاتا ہو اس طرح غفلت اور خطایا کی ظلمت جذر قلب میں نہیں اترنے پاتی چونکہ حقیقی دوام ممتنع تھا اس لئے اسی قدر دوام پر اکتفا کیا گیا جو کوئی دشوار کام نہیں ہے پھر جب نماز کے لئے اوقات کے تعیین کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لئے وہی اوقات زیادہ مناسب تھے جن میں روحانیت پھلتی ہے اور اللہ کے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور ان اوقات میں بندوں کے اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش ہوتے ہیں اور بندوں کی حاجات پوری کیجاتی اور ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور جمہور اہل مل کے یہاں یہ امر مسلمات سے ہے رجبہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۸۵۔

اس طرح حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ہر وقت کی حاضر باشی کی پابندی کو ہٹا کر ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں حاضری کے لئے اوقات مقرر فرما دیئے اور سب بندوں کو حکم دے دیا کہ ان اوقات میں ہماری بارگاہ

میں حاضر ہوں اور اپنی اپنی حاجات پیش کریں یہی ان کی اطاعت و انقیاد کا عملی ثبوت ہے۔ اگر اس عملی ثبوت پر مداومت رکھے گا تو پورے دین پر استواء قائم رہے گا اور اگر اس کو ضائع کر دے گا تو پورے دین کو مسمار کر دے گا۔ ارشاد نبوی ہے۔

نماز دین کا درمیانی ستون ہے جس نے اسکو قائم رکھا اسنے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسکو منہدم کیا اس نے دین کو منہدم کر دیا۔

الصلوة عماد الدين من اقامها فقد اقام الدين و من هدمها فقد هدم الدين۔

اس طرح کفر و ایمان کی درمیانی حد فاصل جس سے ظاہر طور پر کافر و مومن میں فرق و امتیاز کیا جائے نماز ہے۔ مومن و مسلمان نماز کا اہتمام کرتا ہے اور کافر و منافق اس سے دور رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان بن الرجل و بین المشرك و الکفر ترک الصلوة مسلم کا چھوڑنا ہے۔

دوسری حدیث میں اس کی توضیح اس طرح ہے۔

ہمارے اور کافروں کے درمیان نماز حد فاصل ہے پس جس نے اسکو چھوڑ دیا اس نے کفر اختیار کیا۔

الحد الذي بیننا و بینم الصلوة فمن ترکها فقد کفر۔ (سوانح الترمذی) ایک اور حدیث میں ہے۔

جس نے نماز کو عمدتاً ترک کیا اسنے

من ترک الصلوة مشعداً

فقد كفر۔

اختیار کیا۔

یہ قولی کفر نہیں ہے اور نہ ترک نماز کی وجہ سے یہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوا ہے بلکہ عملی کفر ہے یعنی اسلامی عمل ترک کر کے کفار کا وطیرہ اور شیوہ اختیار کر لیا ہے۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت اور اعتراف و اقرار ایک قلبی امر تھا جس کی زبان سے محض ترجمانی ہوتی تھی ضرورت اس امر کی تھی کہ اس زبانی اعتراف کے لئے عملی شہادت اور فعلی اعتراف مقرر کیا جائے تاکہ ان کے ذریعہ اس شہادت کا عملی ثبوت فراہم ہو۔ اس کے لئے باقی ارکان مقرر کئے گئے جو ایمان و اسلام قبول کرنے کی ظاہری علامات اور شواہد ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

پھر اگر وہ کفر و شرک سے رجوع کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان کا راستہ چھوڑ دو ان سے تعرض نہ کرو

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَتَوْا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا
سَبِيلَهُمْ۔

اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

میں اس بات کا حکم دیا گیا ہوں کہ کفار سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں پھر جب وہ ایسا کریں تو ان کے نفوس اور اموال

امرت ان اقاتل الناس
حتى يشهدوا ان لا اله الا
الله وان محمدا رسول الله
ويقيموا الصلوة ويؤتوا
الزكاة فاذا فعلوا ذلك عصوا

منی و مالہم و امنوالہم

الابحق الاسلام وحسابہم

علی اللہ - (رداء البخاری و مسلم)

مجھ سے محفوظ ہو گئے۔ البتہ حقوق اسلامی

کا ان سے مطالبہ ہو گا اور ان کا حساب

اللہ کے سپرد ہے (بخاری و مسلم)

اور ان چاروں ارکان میں اصل نماز ہی ہے کیوں کہ وہ ہر عاقل و بالغ پر فرض

ہے اور شب و روز میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔

ان ارکان میں زکوٰۃ کی ادائیگی صرف مالداروں کے لئے ہے اور سال بھر میں

صرف ایک دفعہ زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ اور حج بیت اللہ کی ادائیگی صرف ان مسلمانوں

کے لئے ہے جن میں بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور زاد راہ موجود ہو اور

عمر بھر میں صرف ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے اور رمضان شریف کے روزے

اگرچہ یہ مالدار اور نادار پر فرض ہیں لیکن ان کی ادائیگی بھی سال میں صرف ایک

فہینہ ہوتی ہے۔ اب ارکان اسلام میں سے صرف نماز ہی ایسا رکن رہ گیا جس کی

ادائیگی ہر روز ہوتی ہے اور شب و روز میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے۔ اس

لئے نماز ہی اسلام و ایمان کی خصوصی علامت اور امتیازی نشان ہے جو

مومن اور کافر میں ظاہری فرق اور امتیاز قائم رکھتی ہے۔

فرض نمازوں سے تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اور ترقی درجات

سابقہ بیان سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق

کے لئے نماز سے بہتر اعلیٰ صورت عقلاً مقصود نہیں ہے۔ عروج و ترقی کے سارے

درجات اسی سے وابستہ ہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ فرماتے ہیں۔

ہیں کہ نماز ایک تریاق عظیم سے جو ان تمام زہروں کو دفع کرتا ہے جو صحت نفسانی کے لئے مہلک ہیں۔ ایمان کو تقویت دیتا ہے اور کفر و شرک کا ازالہ کرتا ہے اور تمام شرور و مفسد کو دفع کرتا ہے۔ فتنہ و قبر سے محفوظ رکھتا ہے اور طبعی حجاب اور سوء معرفت کے حجاب کو چاک کرتا ہے۔ نماز کی مشروعیت میں وہ فائدے رکھے گئے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا را البدور البازغہ ص ۲۰۸

ان میں سے چند فائدوں کی طرف اجمالی طور اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱) نماز بالخاصہ فحش اور برائیوں سے روکتی ہے اور وہ امور انسان سے سرزد نہیں ہونے دیتی جو اس کی انسانیت کے لئے بد نما داغ ہیں اور خداوند عالم کی معصیت و نافرمانی نہیں۔ جب کوئی شخص دن میں پانچ مرتبہ اپنے آقا حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کی نافرمانی سے توبہ و رجوع کرتا رہے تو پھر اسے معصیت و نافرمانی کی کب جرأت و ہمت ہو سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

بے شک نماز فحش اور برائیوں سے روکتی ہے اور بیشک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز اور اللہ جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ
أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ

نماز فحش اور برائیوں سے روکتی ہے کیوں کہ اللہ رب العزت کی یاد اور وعیان کے لئے پڑھی جاتی ہے اور اول سے آخر تک ذکر اللہ پر مشتمل ہے اور ذکر اللہ پر بہت بڑی نعمت و سعادت ہے جس دل میں اللہ رب العزت کی یاد ہوگی اس میں فحش و برائی کی خواہش کس طرح آسکتی ہے؛ پھر جو کچھ نمازی کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں پھر یہ اس سے کس

طرح غافل ہو کر اس کی نافرمانی کر سکتا ہے بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح ادا کیا جائے
عقل و تدبیر ہوشی سے اس کو ضائع نہ کیا جائے۔

۱۲) بشریت کے تقاضے سے جو خطا میں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ فرض نمازوں
کی پابندی سے ان کے اثرات قلب سے زائل ہو جاتے ہیں اور نفس پاک و
صاف ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قائم رکھو نماز کو دن کی دونوں طرفوں اور رات کی اندھیری میں بیشک نیکیاں
برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ
وَزُلْفَاءَ مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ
يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

پس معلوم ہوا کہ نیکیوں کی اصل تاثیر یہ ہے کہ ان سے برائیوں کے اثرات
زائل ہو جاتے ہیں اور نماز چوں کہ نیکیوں کی جڑ اور بنیاد ہے اس لئے نماز پڑھنے سے
سابقہ خطاؤں کے اثرات دھل جاتے ہیں اور نفس انسانی پاکیزہ و صاف ستھرا
ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ اس کو اس
طرح سمجھایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے تمہارا کیا خیال ہے اگر تم
میں سے کسی کے گھر سامنے ٹھہر جا رہا ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل
کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر میل باقی رہے گا؟ صحابہ عرض کیا کہ اس پر کوئی میل
کچیل باقی نہ رہے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے اللہ تعالیٰ ان کے

ذریعہ سابقہ خطاؤں کو نحو فرمادیتے ہیں صحیحین
 (۳) ہر ایک نماز دوسری نماز تک کی درمیانی معمولی خطاؤں کا کفارہ ہو
 جاتی ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے جو بھی مسلمان جب فرض
 نماز کا وقت آئے تو اس کے وضو اور اس کے خشوع و رکوع کو اچھی طرح ادا
 کرے تو یہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جب تک کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب
 نہ ہو۔ اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے (مسلم شریف) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بچوں نمازیں اور
 جمعہ جمعہ تک درمیانی خطاؤں کا کفارہ ہے جب تک کہ وہ کبیرہ گناہوں میں ملوث
 نہ ہو (مسلم شریف)

بات دراصل یہ ہے کہ نماز پاکیزگی اور فروتنی کو جامع ہے اور نفس انسانی
 کو ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ وابستہ کرتی ہے اور یہ نفس کی یہ خاصیت ہے کہ جب ایک
 صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو اس کی ضد مقابل کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ
 بالکل کالعدم ہو جاتی ہے۔ پس جس شخص نے پانچوں نمازوں کو صحیح طریقہ پر
 ادا کیا اور اس کی عرض و غایت کو بخوبی سمجھ گیا تو وہ شخص لامحالہ رحمت خداوند
 کے دریا میں غوطہ زن ہو گا۔ جس سے تمام خطائیں دھل جائیں گی اور آئینہ
 دل صاف و شفاف ہو جائے گا۔ یہ ہے گناہوں اور خطاؤں کے کفارہ کی اصل
 صورت نہ یہ کہ خداوند عالم کا فرضی بیٹا بنا کر اس کو دوسروں کی خطاؤں کے
 کفارہ میں ناحق سولی پر چڑھا دیا جائے جو صریح ظلم اور نا انصافی ہے اور عقل

کے سراسر خلاف ہے کہ گمراہی اور بھگتے کوئی۔ جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کو ناسوقی پر چڑھا کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔

۴) نمازوں کی محافظت اور مداومت سے مومن و مسلمانوں کے مراتب اور درجات بلند ہوتے ہیں آخرت میں بھی اس کے درجات بلند ہوں گے اور دنیا میں بھی اس کا مرتبہ و مقام بلند ہوگا جس قدر نمازیں پڑھی ہیں اسی قدر بلند مرتبہ پر فائز ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بیشک تو جو بھی سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی وجہ سے تیرا ایک درجہ بلند فرماتے ہیں اور تیری ایک خطا معاف فرماتے ہیں" (مسلم شریف)

اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے صاحب جبروت سلاطین نے اولیاء اللہ کے درباروں میں رتوبار گاہ خداوندی میں سر بسجود رہنے کے عادی بن چکے ہیں، عاجزانہ خاکسارانہ حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور خارمانہ حاضری دی ہے۔ تو حیب دنیا میں نمازی آدمی کا یہ مرتبہ و مقام آنکھوں کا مشاہدہ ہے تو پھر ان کے آخری مراتب و درجات کا کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے؟ اس کے علاوہ نمازی دنیا منہنی پرہیزگار شخص کا ہر شخص لحاظ کرتا ہے اور اس پر اعتماد کرتا ہے۔ اور بے نمازی فاسق و گنہگار کو کوئی بھی خاطر میں نہیں لاتا یہ روزمرہ کا تجربہ ہے۔

یہ ہیں چند فائدوں کی طرف اجمالی اشارہ کیا ہے تاکہ کوئی شخص بھی

نماز جیسی سعادت عظمیٰ دولت کبریٰ اور مرتبہ علیا سے محروم نہ رہے۔ چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازوں میں سوا گھنٹہ طوطہ دیر گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا جو اس نعمت اور سعادت کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا جب کہ ہم فضول کاموں اور بے کار باتوں میں روزانہ اس سے بہت زیادہ وقت برباد کر دیتے ہیں۔ مگر یہ باتیں ان لوگوں کی مشکل سے آئیں گی جن کے دماغوں میں نور سے اور ان کے قلوب گناہوں اور خطاؤں کی کثرت کی وجہ سے بالکل مسخ ہو چکے ہیں شقاوت و قساوت کے پردے دلوں پر پڑے ہوئے ہیں اور سرکشی و طغیانی کے گرداب میں مھنسے ہوئے ہیں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی اُذُنٰہِمۡ وَعَلَیٰ سَمْعِہِمۡ وَعَلَیٰ اَبْصَارِہِمۡ غَشَاوًا لّٰہُ تَعَالٰی نے ان کے قلوب اور کانوں پر مہر لگائی ہوئی ہے اور ان کی آنکھوں پر جہالت و ضلالت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

تیسرا رکن، رمضان شریف کے روزے رکھنا!

لذات اور شہوات کے ترک کے لئے حکمائے مراضین اور راہبوں نے بڑے سخت سے سخت مجاہدے کئے اور ریاضت و مشقت برداشت کی ہے برسوں ترک لذات کے مجاہدے کرتے تھے جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ ضعیف الجسم نحیف و زار ہو جاتے تھے۔ ان کی نسل منقطع ہو جاتی تھی۔ دنیا کی نعمتوں سے محروم بھی رہتے تھے اور بیشتر اپنے مقاصد میں بھی ناکام رہتے تھے۔ کیوں کہ غیر فطری امر پر نفس مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہر شخص اس کی طاقت رکھتا ہے

کہ لذات و شہوات کو بالکل ترک کر دے۔ اسلام نے لذات اور شہوات کے ترک کے لئے "روزہ" تعلقین فرمایا جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانا، پینا اور جماع کو چھوڑ دے کیونکہ امہات لذات یہی تین چیزیں ہیں باقی لذتیں ان ہی فرع ہیں۔ پس جبکہ انی اسباب لذت کو چھوڑ دے گا۔ تو نفس کی سرکشی ضرور کم ہوگی اور عیاشانہ قرمانی اور طغیانی و سرکشی کا مادہ ضرور مغلوب اور مقہور ہو جائے گا۔ اور اس میں ایک گونہ اعتدال کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

اس مجاہدہ و ریاضت کو ہر شخص کر سکتا ہے اس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ اور خلاف عقل و فطرت بھی نہیں ہے بلکہ محدود وقت کے لئے نفس کو قابو میں رکھنا عین فطری تقاضا ہے جانوروں کی طرح ہر وقت چرنا فطرت انسانیکہ خلاف ہے اور انسان کو معطل و بے کار بنا دیتا ہے۔ معدہ کی اصلاح اور صحت جسمانی کے لئے بھی کبھی کبھی فاقہ کرنا ضروری امر ہے۔ یہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر مزید فضل و احسان ہے جو امر انسان کی صحت جسمانی اور روحانی اور نفس کی پاکیزگی اور صفائی و ستھرائی کے لئے ضروری اور لابدی تھا اس کا اپنی جانب سے حکم فرما کر اس کو اہم عبادت و طاعت قرار دے دیا اور تقرب و قربانی اور رضائے الہی کا اعلیٰ ذریعہ بنا دیا اور اس پر بھی اس کے لئے بے شمار اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔ سہل پھرے جسمانی اور روحانی امراض کے انالہ اور دفعیہ کے لئے دیا جائے تاکہ جسم اور نفس کے اندرون سے مادہ فاسد خارج ہو کر صحت یاب پاک و صاف ہو جائے اور پھر اس پر ہمیں مزید انعام بھی دیا

جائے اور ہمارا اعزاز و اکرام بھی کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر انسان پر اور
حق تعالیٰ کا کیا احسان ہو سکتا ہے؟ پھر اس میں بھی ہر نوع کی سہولت و آسانی رکھی
گئی ہے کہ مجاہدہ و ریاضت بھی تام ہو جائے اور انسان کو کسی قسم کی مشقت
اور ناگواری بھی نہ ہو۔ سال بھر میں صرف ایک مہینہ کے لئے روزوں کا حکم دیا
گیا اور مہینہ بھی وہ منتخب کیا گیا جو طبعی طور پر خیر و برکت کا مہینہ ہے۔ خود بخود
اس میں نیکی کی جانب رجحان و میلان ہوتا ہے اور وہ رمضان شریف کا مبارک
مہینہ ہے جو ازل سے اشرف زمان قرار دیا ہوا ہے اسی میں الہامی کتابیں نازل
کی گئی ہیں اور اسی میں ملائعہ اعلیٰ سے پیکران رحمتوں کا نزول و درود ہوتا ہے جو
کسی خاص موسم کے ساتھ مفید نہیں کبھی جاڑوں میں آتا ہے اور کبھی سردیوں میں
غرض ہر موسم میں دائرہ سائر رہتا ہے تاکہ سردی و گرمی اور آسانی و دشواری ہر
لذت سے آشنا ہو جائے۔ اور روزہ کے لئے دن کا وقت مقرر فرمایا تاکہ
مجاہدہ کا پورا پورا فائدہ ہو جائے۔ کیوں کہ مجاہدہ ترک عادت کا نام ہے اور
کھانے پینے کی عادت عموماً دن کو ہی ہوتی ہے۔ اگر یہ حمانعت رات کو ہوتی تو
خبر بھی نہ ہوتی اور نہ کچھ نفس پر شاق گذرتا اور مجاہدہ و ریاضت کا مقصد سی
قوت ہو جاتا۔ جو گویوں سنیاسیوں اور راہبوں کی طرح شب و روز روزہ رکھنے
میں ضعیف و کمزور ہو کر بالکل بے کار ہو جاتا اور تمام قوی مضمحل اور بے
کار ہو جاتے حالانکہ شریعت کا مقصود قوت شہویہ کا بالکل ازالہ نہیں بلکہ مقصود
اس میں اعتدال پیدا کر کے اس کی مضرت کا ازالہ ہے اور اس کے مفاسد سے
نفس انسانی کی حفاظت ہے۔ اسی لئے شریعت میں صوم وصال کی حمانعت

آئی ہے۔ پھر صرف دن کا روزہ مقرر کرنے میں ریاضت و مشقت بھی زیادہ ہے کیوں کہ ایک دم لذات چھوڑ دینے میں نفس کو اس قدر گرانی نہیں ہوتی کچھ مدت کے بعد نفس اسی کا خوگر ہو جاتا ہے۔ بخلاف روزہ کی موجودہ صورت کے کہ اس میں رات کو سو کر کھانے پینے جماع کی لذت سے بخوبی منتفع ہوتا ہے پھر ایک دم دن کو تمام لذتوں کو چھوڑنا نفس پر زیادہ شاق گذرتا ہے۔ جن کارات کو مزہ چکھاتا تھا۔

پھر اس انفرادی عبادت میں بھی اجتماعی شان کو برقرار رکھا گیا۔ ایک ساتھ ایک وقت میں روزہ رکھنا اور ایک ساتھ ایک ہی وقت میں افطار کرنا اور ایک ہی ایام میں رکھنا کہ اس میں اجتماعی شان بھی رہے اور اس اجتماعیت کی وجہ سے سہولت و آسانی بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان شریف میں پورے مہینہ کے روزے رکھنے میں اتنی گرانی اور دشواری نہیں ہوتی جتنا رمضان المبارک کے علاوہ تنہا ایک روزہ رکھنے میں گرانی و دشواری ہوتی ہے بلکہ اس اجتماعیت کی وجہ سے رمضان شریف میں روزے نہ رکھنا غیرت و حمیت والے کے لئے زیادہ گراں اور شاق گذرتا ہے۔

انسانی عقول کی ان حکمتوں تک کب رسائی ہو سکتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ روزہ کے متعلق تحریر

فرماتے ہیں۔

روزہ ایک تریاق عظیم ہے ایمان کو

قوی کرتا ہے اور عبادت گذاری کا ایک

الصوم تریاق عظیم

یقوی الایمان ویقع التصالح

بہترین طریقہ ہے تو بلا اور فتنہ قبر اور فتنہ
 جہنم سے حفاظت کرتا ہے اور بہشت کے
 کے خصوصی دروازہ ریان تک مستحباب ہے اور
 طبیعت کے حجاب کو پوری طرح چاک کرتا ہے
 جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ روزہ اس کیلئے سپر
 ہے اور سوئے معرفت کے حجاب کو خاک
 کرتا ہے کیونکہ وہ قومی علمبر کا پورا تنقیر
 کر دیتا ہے اور حیب شعائر الہی سے شمار
 ہو گیا ہے تو رسوم کے اثرات سے بچاتا
 ہے اور جب روزہ پوری ملت کو صحیح
 راستہ پر قائم رکھنے کے لئے ہے تو لامحالہ
 اسی مدت کا ہو گا جو نہ قلیل ہو اور نہ زیادہ ہو
 جس میں سب کے سب مل کر ذکر اللہ تلاوت
 روزہ صدقہ اور نماز کی کثرت کریں اور
 یہ اس لئے کہ یہ امر ان کی استطاعت سے
 باہر ہے کہ وہ مطلقاً اس حالت پر مداومت
 رکھیں تو ضروری ہوا کہ اس مخصوص مدت
 میں اس حالت پر مداومت رکھیں اگر
 کل کا حصول نہ ہو تو کل کا ترک بھی نہ ہو

الشعباء وينفع من البلاء و
 فتنۃ القبر و فتنۃ جہنم و
 يوصل الى باب الريان ويكر
 حجاب الطبع كسراعظيما قال عليه
 الصلوة والسلام فان الصوم
 له رجاء حجاب سوء المعرفة
 فانه ينقى القوى العلمية نقية
 بالغة واذ جعل من شعائر
 الله نفع عن غوائل الرسوم
 واذ اتصدى التصحيح الملة
 وجب لامحالة ان يكون ملة
 خير قليلة ولا كثيرة يكثر
 فيها اجتمعون الذكر والتلاوة
 والصوم والصدقة والصلوة
 وذلك لانهم لا يستطيعون
 ادامة هذه الحالة مطلقا
 فلا بد من ادامتها في
 هذه المدة وما لا يدرك
 كله لا يترك كله

وهذا معنى كون الصوم
جنة واذا انتظر امر الملة
على هذا النحو صدق ان
الشياطين تسلسل في رمضان
وان ابواب جهنم تعلق وان
ابواب الجنة تفتح وحققة
الصوم امتاك من اللذات
الثلاث الاكل والشرب
والجماع من ابتداء تبين
الفجر وانتشار اشعة الصبح الى
غروب الشمس ويتأكد
بالصيام ترك الكذب والغيبة
والمثابرة

(البدور البازغة ص ۲۱۶)

اور یہی معنی روزہ وصال ہونے کے
ہیں۔ اور جب پوری ملت کا کام اس
طرز پر مشتمل ہو گیا تو یہ بات سچ ہو گئی کہ
رمضان میں شیاطین جکڑے جاتے ہیں
اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے
ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیے
جاتے ہیں اور روزہ کی حقیقت کھانے
پینے اور جماع میں لذتوں سے بچنے
فجر کے ظاہر ہونے اور صبح کی شعاعوں
کے پھیلنے سے غروب آفتاب تک
اور روزہ رکھنے کی وجہ سے جھوٹ اور
غیبت اور باہم گالی گلوچ کے ترک کی
پوری تاکید ہو جاتی ہے۔

(البدور البازغة ص ۲۱۶)

محض بھوکا رہنا بھی نفس انسانی کی پاکیزگی اور صفائی و ستھرائی کے لئے ضروری
ہے۔ اس سے قوی علم ہے اور قوی فکر یہ میں جلا اور صفائی پیدا
ہوتی ہے۔

یہ تمام حکماء اور دانشمندیوں کا متفقہ فیصلہ اور تجربہ ہے اس سے تو کسی
حال میں بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس حیثیت اور نوعیت کے ساتھ رونے

کی مشرور غیت نے اس میں تعبدی شان پیدا کر دی اور شعائر خداوندی سے ہر
 گیا جس کی وجہ سے نفوس انسانی کا تزکیہ و تطہیر ہو کر ایک صالح ملت وجود میں آ
 گئی جو خود بھی پاکیزہ و نظیف سے اور دوسروں کی پاکیزگی اور نظافت کی بھی
 ذمہ دار ہے چونکہ نفوس انسانی کی عمومی اصلاح و درستی روزہ کے بغیر دشوار
 تھی اس لئے ہر مذہب و ملت میں کسی نہ کسی حیثیت سے روزے کا وجود ضرور
 پایا جاتا ہے۔ اسلام چونکہ تمام ملل و مذاہب کے عمدہ اعمال پر مشتمل ہے اس لئے
 اسلامی روزہ میں قدرتی طور پر وہ تمام خوبیاں آگئیں جو دیگر مذاہب کے روزوں
 میں پائی جاتی ہیں اور ان سارے مقاصد کا سبب بن گیا جو اس عبادت میں
 شامل کروئے گئے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ
 عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
 الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اے ایمان والو! فرض کئے گئے ہیں تم
 پر روزے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر
 فرض کئے گئے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

پس روزے کی اصل تقویٰ و پرہیزگاری کا عام کرنا ہے جس سے پوری
 انسانیت کی نجات وابستہ ہے۔ اسی لئے تمام مسلمانوں پر روزہ فرض کیا گیا ہے
 تاکہ تقویٰ و پرہیزگاری ان کا ملی شعار بن جائے اور دیگر عوام سے ان کو امتیاز حاصل
 ہو جائے روزے کی وجہ سے تقویٰ حاصل ہونے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ اس
 کی وجہ سے نفس کو اس کے مالوفات اور مرغوبات کے روکنے کی مشق ہوتی
 ہے حق تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے روزہ داروں پر معتاد امور سے باز رہنا ہے
 جس کی وجہ سے صلب نفس کی ورزش ہوتی ہے جو تقویٰ کی اصل ہے دوسرے

یہ کہ بیشتر گناہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کی زیادتی کی وجہ سے ہوتے ہیں روزہ ان دونوں کے زور کو کم کرتا ہے۔ کیونکہ شہوت اور غضب ان دونوں کا مدار قوت مزاج اور متانت روح پر ہے روح کھانے پینے سے پرورش پاتی ہے جب کھانے میں کمی واقع ہو گئی تو روح نرم اور رقیق ہو جائے گی اور اس میں شہوت و غضب کو نافذ کرنے کی طاقت نہ رہے گی اور اضطراری طور پر یہ دونوں بری عادتیں چھوٹ جائیں گی۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پہلے لوگوں کا روزہ عشاء سے لے کر اگلی رات تک تھا۔ اور یہی روزہ ابتدائے اسلام میں رائج تھا۔ روزہ انظار میں امت مسلمہ پر یہ سہولت و آسانی کر دی گئی کہ رات کا وقت خارج کر کے صرف دن کا روزہ مقرر کر دیا گیا۔

فرض روزوں کے لیے رمضان شریف کا انتخاب

علماء کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ ہماری طرح نصاریٰ پر بھی رمضان شریف کے روزے فرض تھے۔ لیکن رمضان شریف کبھی سخت گرمی میں آتا تھا اور کبھی سخت سردی میں اس کی وجہ سے ان کو سفروں میں دشواری ہوتی تھی اور معاشی ضرر لاحق ہوتا تھا جس کی وجہ سے ان کے عالموں اور مذہبی پیشواؤں نے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ روزے ایسے موسم میں کر لئے جائیں جو معتدل ہو نہ زیادہ سردی ہو اور نہ زیادہ گرمی ہو۔ اور روزوں کے لئے موسم ربیع انتخاب کر لیا اور اس تغیر کے کفارہ میں دس روزں کا اضافہ کر لیا اور روزوں کی مدت چالیس دن ہو گئی۔ اس کے بعد ایک نصرانی بادشاہ کو منہ کی بیماری لاحق ہو گئی تو اس نے نذرمانی کہ اگر اس بیماری سے شفا ہو گئی تو روزوں کے ایام میں ایک

ہفتہ کا اضافہ کروں گا۔ جنگی میں شفا یاب ہو گیا تو اس نے ان ایام میں ایک ہفتہ کا اضافہ کر دیا۔ اس بادشاہ کی وفات کے بعد حیب دوسرا بادشاہ ہوا تو اس نے پورے پچاس کا حکم دے دیا۔ اس طرح نصاریٰ اپنی کج فہمی اور کج روی کی وجہ سے رمضان المبارک کی خیر و برکات سے محروم ہو گئے۔ اور روزوں کا دستور بھی اس قوم سے اجتماعی طور پر ختم ہو گیا۔ شاذ و نادر ہی کچھ راہب لوگ ایسے ہوں گے جو روزے رکھتے ہوں گے۔ ان کی عمومی زندگی سے روزہ کی عبادت بالکل خارج ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں یورپ کی اقوام نے عموماً اپنے خواہش نفسانی کو اپنا معبود اور مطلوب بنایا ہوا ہے جو کچھ سعی عمل اور جدوجہد سے لذات نفسانی کے حصول کے لئے ہے۔ خدا ترسی اور خدا پرستی اور تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی اس قوم میں مفقود ہی نہیں۔ تقریباً معدوم ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ عیسائی علماء اور راہبوں نے مذہب عیسوی میں سخت تحریفات کر دی ہیں اور وہ عقل و فہم سے اس قدر بعید ہو گیا ہے کہ اس آزادی فکر کے زمانہ میں ناقابل قبول اور ناقابل عمل ہے۔ سمجھ دار طبقے اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل اور لطف و احسان سے مسلمانوں کو رمضان المبارک کی خیر و برکات سے بھی سرفراز فرمایا اور اس مبارک مہینہ میں روزوں کا حکم فرمایا اور کثرت عبادات و طاعات کی تاکید فرمائی۔ ارشادِ ربانی ہے۔

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل
کیا گیا ہے جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي
أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى

اللَّيَّاسِ وَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَاةِ
وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَرِهَدَا مِنكُمُ
الشَّهْرَ فَلْيَصُّهُ
(سورۃ بقرۃ)

اور واضح دلائل ہیں ان کتب سے جو
ہدایت ہیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والی
ہیں پس جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو اسکو
ضرور روزہ رکھنا چاہئے۔

اس میں بھی انسانی فطری صنعت کا خیال رکھا گیا اور اس کے لئے پوری
آسانی کی گئی تاکہ کسی مشقت و دشواری میں مبتلا ہو کر اطاعت و انقیاد سے روگردانی
نہ کرے چنانچہ مرض اور مسافر کو حالت مرض اور حالت سفر میں رمضان شریف
میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی گئی اور اس کو بعد میں قضا کا حکم دے دیا
گیا آگے ارشاد ہے۔

وَمَن كَانَ مِنكُمُ
مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ
مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ سُوْرَةُ بَقَرَةَ

اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے
ایام کا شمار سے اللہ تعالیٰ کو تمہارے
ساتھ آسانی منظور ہے۔ اور تمہارے ساتھ
دشواری منظور نہیں ہے۔

اگر بیمار ہو اور روزہ کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا اندیشہ ہو یا سفر میں ہو
جس کی تعداد میں مثل یعنی تقریباً چالیس پینتالیس میل سے تو رمضان شریف
میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اس وقت روزے نہ رکھے اور رمضان
کے بعد جب سہولت و آسانی ہو ایک دم یا متفرق ان روزوں کی قضا
کرے۔

اس وقت یہ رمضان المبارک میں روزے نہ رکھنے والا بھی روزہ داروں

ہی میں شمار ہوگا کیوں کہ اس نے حکم خداوندی سے روزہ کھولا ہے اور مطہین
 میں اس کا شمار ہوگا۔ اس سے زیادہ رحمت و شفقت اور آسانی و سہولت اور کیا
 ہو سکتی ہے اس ماہ مبارک کے روزے رکھنا تو تمام مسانوں بلکہ تمام انسانوں کے
 لئے لازمی اور ضروری امر تھا کیوں کہ اس ماہ میں انسانوں کی ہدایت و رہنمائی
 کے لئے پروردگار عالم خالق مخلوقات نے ان کے پاس ہدایت ربانی اور دستور
 خداوندی نازل فرمایا ہے جو ان کو غلط باطل راستوں سے ہٹا کر زندگی اور زندگی
 کے صحیح حق راستے پر استوار قائم کر دے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نعمت عظمیٰ اور
 سعادت کبریٰ کی شکرگذاری ادا نہ کی جائے اور اس ماہ محترم کا غایت اعزاز احترام
 و اہتمام نہ کیا جائے اور اس کے تمام اوقات کو طاعت و عبادت میں بسر نہ کیا
 جائے۔ قرآن مجید جو ہدایت ربانی اور دستور خداوندی ہے۔ اس کے نازل
 ہونے کا اصل تقاضہ یہ تھا کہ خدا کے بندے سب کچھ چھوڑ کر سہرتن اس کی تعمیل
 میں لگ جائیں اور کسی لمحہ اس سے غافل نہ رہیں لیکن اس میں نوع انسانی کے
 لئے دشواری تھی اور معاشی کاروبار کا تعطل لازم آتا تھا۔ سب افراد انسانی
 اس کو اختیار نہ کر سکتے تھے اس لئے بندوں کی سہولت و آسانی کے لئے بارہ
 مہینوں میں سے صرف ایک مہینہ اور وہ بھی وہی مہینہ جس میں یہ ہدایت نامہ
 نازل کیا گیا ہے۔ طاعت و عبادت۔ توبہ و استغفار اور انابت و تلاوت کے
 لئے مقرر فرمادیا تاکہ اس ایک ماہ کی ریاضت اور مجاہدے کے اثرات و ثمرات
 سارے سال باقی رہیں۔ چنانچہ یہ مشاہدہ اور بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اس ماہ کے
 مجاہدہ و ریاضت کا اثر تمام سال پر پڑتا ہے اور پورے سال امور خیر کی فراوانی

رہتی ہے۔ اور اگر اس ماہ مبارک کو ضائع کیا ہے تو پورا سال ضائع ہی جاتا ہے پھر مزید سہولت و آسانی یہ کہ اس ماہ میں بھی روزوں کی حالت میں دینی مادی کاروبار کو معطل اور بے کار نہیں چھوڑا گیا۔ روزہ کی حالت میں صرف کھانے پینے اور جماع سے روکا گیا ہے اور تعصیت و نافرمانی کے کاموں سے روکا گیا ہے ان امور سے بچنے کے بعد روزہ کی حالت میں ہر کاروبار لین دین کر سکتا ہے۔ جو بھی کام خدا اور رسول کے حکم کے موافق انجام دے گا وہ عین طاعت و عبادت ہے اور رضاء الہی اور تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ بلکہ کاروباری مشقت کی حالت میں روزہ کا اجر و ثواب اور بھی زیادہ ہے۔ نماز بھی عبادت ہے اور روزہ بھی عبادت ہے۔ لیکن نماز چلنے پھرنے بات کرنے اور دنیوی کاروبار کرنے سے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اور روزہ ایسی عبادت ہے جس میں چلنا پھرنے کا کام کرنا معاشی کاروبار کرنا بھی منہراہم نہیں ہے کاروبار بھی ہو رہا ہے اور عبادت بھی پوری ہے۔ اسی طرح عبادت میں تنوع بھی پیدا ہو گیا اور عبادت کا دائرہ بھی وسیع ہو گیا۔

”روزہ کے شرائط اور آداب“

کھانے پینے اور جماع سے اگر روزہ کی نیت سے صبح صادق کے طلوع کے بعد سے غروب آفتاب تک دیکر ہا تو شرعی عبادت پوری ہو گئی اور روزہ تام ہو گیا اور فریضہ خداوندی ذمہ سے ادا ہو گیا۔ لیکن چونکہ یہ ایک عبادت ہے اور اہم عبادت خداوندی ہے۔ اس لئے اس کے اصل ثمرات و نتائج اسی وقت نمودار ہوں گے جب اس کے آداب و شرائط کو بخوبی ادا کرے

گا اور روزہ کو روزہ کی طرح ادا کرے گا۔ اگر روزہ کے آداب و شرائط کا خیال نہ رکھا تو یہ محض بھوک پیاس کی مشقت رہ جائے گی۔ نسائی شریف اور سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

صائم لیس لمن صیامہ
الا الجوع۔ ازہدہ الناظرین بروایت
نسائی وابن ماجہ

کچھ نہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس روزہ دار کا حال ہے جو حرام مال سے روزہ افطار کرے اور روزہ دار سے جو روزہ میں حلال چیزوں سے توپکے لیکن لوگوں کا حرام گوشت غیبت کی وجہ سے کھاتا رہے کیوں کہ جو شخص کسی کی غیبت کرتا ہے وہ درحقیقت اس کا گوشت کھاتا ہے کس قدر ظلم ہے کہ حلال جانوروں کے گوشت سے توپکے اور انسانی گوشت کھاتا رہے جو قطعاً حرام ہے۔ اور وہ شخص ہے جو روزہ کی حالت میں اپنے جوارح اور اعضاء کو گناہوں سے نہ بچائے جو روزہ کے بغیر بھی اس کے لئے کسی طرح حلال نہ تھے۔ جب روزہ میں ان چیزوں سے بھی روکا گیا ہے جو حلال و طیب تھیں تو ان امور کی مانعت تو اور زیادہ ہو گئی۔ جو بے روزہ بھی تمام تھے۔

جس روزہ میں محرکات شرعیہ سے بچنے کا التزام نہ کیا جائے اور خداوندی احکام کی نافرمانی کی جائے وہ بارگاہ خداوندی میں پذیرائی کے قابل کس طرح ہو سکتا ہے؟ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص جھوٹ بات اور اس کے

مطابق عمل کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھڑانے کی کوئی حاجت نہیں۔ (ترجمہ) کیوں کہ روزے سے مقصود محض ترک لذات نہیں ہے بلکہ ترک مخطورات کی مشق سے تاکہ نفس انسانی سے سرکشی کا مادہ کم ہو کر اطاعت و انقیاد سے اس کی تربیت ہو جائے۔ اسی لئے روزہ میں بے ہودہ کوئی سخت کلامی اور خانہ جنگی کی مخالفت کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جب تم میں سے کسی کا روزہ کا دن ہو تو نہ بے ہودہ ہو اس کرے اور نہ شور مچائے پھر اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے قتال کرے تو چاہئے کہ اس سے کہدے کہ میں روزہ دار ہوں۔

اذا كان يوم صوم
احدكم فلا يرفث ولا يصخب
فان سابه احد او قاتله فليقل
اني صائم۔

(بخاری و مسلم)

اپنے نفس کو بھی یہی سمجھا کر ٹھنڈا کرے کہ میں روزہ دار ہوں مجھے اس سے بدلہ نہ لینا چاہئے اور اپنے مقابل کو بھی یہی کہہ کر اس کا غصہ فرو کرے کہ بھائی روزہ دار ہوں مجھ سے نہ جھگڑو۔ غرض یہ ہے اصل روزہ کہ اپنے کو حرام کاموں اور حرام باتوں سے بچائے اور طاعت میں مشغول رہے جو شخص اس طرح رمضان شریف کے روزے رکھے اس کے حقوق و شرائط کی پابندی کریگا اور ہر غیر مناسب امر سے پرہیز کرے گا تو پھر اس کی باطنی پاکیزگی اور صفائی میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ سابقہ برے اثرات یقیناً اس سے زائل ہو جائیں گے۔ صحیح ابن حبان میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ جو شخص رمضان شریف کے روزے رکھے اس کے حقوق کو پہچانے اور جن امور سے بچنا چاہئے ان سے اپنی حفاظت کرے تو یہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہے (نصف) اور وہ امور محض کھانے پینے اور جماع کا ترک نہیں بلکہ ان امور کا بھی ترک ہے جو روزہ کو قبولیت کے قابل نہیں رکھتے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ پانچ امور روزہ کو فاسد کر دیتے ہیں۔ ۱۱ جھوٹا غلبیت ۱۲ غلبیت ۱۳ چغل خوری ۱۴ جھوٹی قسم اور ۱۵ شہوت کے ساتھ نظر اجزاء العلوم ساری خرابیاں کی چڑھی ہیں۔ پھر یہ روزہ کو کس طرح صحیح سالم رکھ سکتے ہیں؟ روزہ کا اس سے بھی اعلیٰ مقام یہ ہے کہ ان امور کے علاوہ اپنے قلب کو بھی دلی خیالات اور دنیوی فکرات سے روکے اور ہر ما سوا اللہ تعالیٰ سے بالکلہ باز رکھے۔

پس روزہ کے تین مراتب ہوئے ایک کھانے پینے جماع ظاہری مفسدات روزہ سے بچنا ہو عوام کا روزہ ہے۔ دوسرے اپنے جوارح کو ہی محرکات شرعیہ سے بچانا۔ یہ خواص کا روزہ ہے۔ تیسرے اپنے قلب کو بھی ما سوا اللہ تعالیٰ سے بچانا یہ شخص خواص کا روزہ ہے اور ان ہی مراتب کے مطابق روزوں کے ثمرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اثرات و ثمرات سے کوئی بھی روزہ خالی نہیں ہے نفس کی تربیت ہر ایک سے ہوتی ہے۔ تھوڑی ہو یا بہت یا بہت زیادہ۔

رمضان شریف میں قرآن مجید کی تلاوت۔ قیام لیالی اور اعکاف جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ رمضان شریف کا ہینہ درحقیقت قرآن مجید کے نزول و رو کا استقبال عام ہے اور اس کے مقصدنا کے مطابق پوری زندگی

بسر کرنے کی مشق و ریاضت سے تو لامحالہ اس ماہ مبارک میں افضل ترین عبادت و طاعت اور اہم ترین مشغلہ قرآن پاک کی تلاوت کی کثرت سے جس قدر کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت ہوگی اسی قدر کلام ربانی اور وحی الہی کے انوار و برکات قلب میں سمائیں گے اور جس قدر ان کے مطالب اور معانی پر غور و تدبر ہوگا اسی قدر عملی جذبات بڑھیں گے اور امور خیر کی جانب میلان و رجحان ہوگا۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ امور خیر کی جانب سبقت کرنے

والے تھے۔ اور ماہ رمضان میں یہ سبقت اور مہینوں سے بھی بڑھ جاتی تھی حضرت جبریل علیہ السلام ہر رمضان میں آپ سے ملاقات کرتے تھے اور آپ ان کو قرآن مجید سناتے تھے (نزہۃ الناظرین)

روزہ اور قرآن مجید دونوں روز حشر انسان کے لئے سفارشی ہوں گے پس اگر یہ دونوں سفارشی ایک ساتھ جمع ہو جائیں گے تو سفارش زیادہ قوی ہو جائے گی۔ امام احمد اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزہ اور قرآن دونوں روز حشر بندہ کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ پروردگار میں نے اس کو کھانے پینے اور شہوت سے روکا اب آپ اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرمائیں۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات کے سونے سے باز رکھا آپ اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرمائیں۔ فرمایا اس وقت ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (نزہہ)

یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں قیام لیالی اور تلاوت قرآن مہتمم
 بالشان عبادت ہے۔ قیام لیالی یعنی نماز تراویح جس کی احناف کے یہاں بیس
 رکعت ہیں مستقل عبادت ہے اور ان میں پورا قرآن مجید پڑھنا یا سننا مستقل عبادت
 ہے۔ اور یہ دونوں مستقل اہم عبادت مسلمانوں ہی سے ہر سال ادا کرائی جاتی
 ہیں۔ تاکہ اور اجتماعی شان سے مساجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرائی جاتی ہیں
 تاکہ نوع انسانی کی جانب سے قرآن مجید جیسی عظیم الشان نعمت کے نزول کی فی
 الجملہ قدر وافی اور شکر گذاری ادا ہو جائے اور نہ تمام انسان ناقدری کے جرم میں
 گرفتار ہوتے۔ پھر جس شب میں قرآن مجید نازل فرمایا گیا اس شب کو مزید عظمت و
 فوقیت عطا کی گئی اور وہ شب قدر ہے جس میں لوح محفوظ سے یہ کلام ربانی نازل
 کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

بے شک نازل کیا ہے ہم نے قرآن
 کو شب قدر میں اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ
 شب قدر کی شان کیا ہے شب قدر
 ہزار ماہ سے بہتر ہے (جن میں شب قدر
 نہ ہو) اس شب میں فرشتے اور ارواح اللہ
 کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے
 ہیں امن و سلامتی ہے ہر شے سے یہ طلوع
 فجر تک ہے

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ
 وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ
 لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ
 تَنزِيلُ الْمَلَكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا
 بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ
 سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ
 الْفَجْرِ

اب خود اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو نزول قرآن والی اس ایک شب میں حق

تعالیٰ کی عبادت کرے گا وہ کس قدر انوار و تجلیات سے بہرہ ور ہو گا۔ ایک ہی رات کی عبادت ہزار مہینوں کی راتوں کی عبادت و طاعت سے افضل و اعلیٰ ہوگی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے سامنے بنو اسرائیل کے زائدوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ اسی دوران شمعون یا سمون راہب کا ذکر فرمایا جو نبی اسرائیل کا مشہور زائد گزار ہے جس کی کثرت عبادت ضرب المثل ہے جو پورے ایک ہزار ماہ عبادت میں مشغول رہا دن میں روزہ رکھتا تھا یا کافروں سے جہاد کرتا تھا اور راتوں کو نماز پڑھتا تھا۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کس طرح اس شخص کے ثواب کو پہنچ سکتے ہیں جب کہ ہماری عمروں کا اوسط ساٹھ سے ستر تک ہے اس میں سے بھی تہائی حصہ ثواب میں بسر کرتے ہیں اور ایک حصہ اسباب معاش اور مادی حاجات میں صرف کرتے ہیں اور ایک حصہ امراض و آلام اور غفلت و سستی میں ضائع ہو جاتا ہے۔ عبادت خداوندی کے لیے تو بہت تھوڑا وقت باقی رہ جاتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کی اس بات کے سننے کے بعد رنج و فکر لاحق ہوا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس وقت یہ سورت نازل فرمائی یعنی اگرچہ تمہاری عمروں کا اوسط کم ہے اور تمہارے ذمہ دیگر فرائض اور ضروریات کی ادائیگی بھی ہے لیکن امت مسلمہ تمہیں شب قدر ایسی سعادت عظمیٰ عطا کی گئی ہے کہ اس ایک ہی رات کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے

شب قدر کو شب قدر و وجہ سے کہتے ہیں۔

اول یہ کہ قدر کے معنی مقدار اور مرتبہ ہیں اور اس رات میں تمام نبی آدم کے عباد

صلحا کے مراتب اور مقامات کا اظہار ہوتا ہے کہ کس کو بارگاہ خداوندی میں کس قدر قرب و منزلت حاصل ہے گویا اس رات تمام سال کی عبادت و طاعت کے ثمرات کا ظہور ہوتا ہے اور ملائکہ و ارواح کو ہر ایک مقام و مرتبہ سے مطلع کیا جاتا ہے دوسرے یہ کہ قدر کے معنی بزرگی ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص ذوالقدر ہے یعنی صاحب عزت و شرف ہے اور یہ رات تمام دیگر راتوں سے عظمت و بزرگی میں فائق و بالاتر ہے۔ کیوں کہ اس رات میں شام سے صبح تک حق سبحانہ کی خصوصی تجلی اپنے بندوں کی طرف متوجہ رہتی ہے اور فرشتے اور صالحین کی ارواح عبادت گزار بندوں کے دیدار اور ملاقات کے لیے عالم علوی سے عالم سفلی میں نازل ہوتے ہیں۔ اور قرآن مجید کا نزول بھی اسی رات میں ہوا ہے۔

”واعتكاف“، ایسی عظیم الشان عالی شان مہتم بالشان رات کی طلب و جستجو انسان کا فطری اور طبعی تقاضا ہے تاکہ رحمت خداوندی کے آغوش میں آجائے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل و کرم سے اس طلب و جستجو کے لئے رمضان المبارک کا آخری عشرہ مقرر فرمایا۔ کیوں کہ شب قدر پندرہ شبہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ ”یہ اعتکاف“ ہے یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایام شب قدر کی طلب و جستجو میں خانہ خدا میں بیٹھ کر شب و روز خدا تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں گزارے اور ان ایام میں خدا تعالیٰ کا مہمان بنا رہے۔ غرض علاج کبر و بڑائی کے لیے نماز اور ترک لذات و شہوات کے لیے روزہ کا حکم فرمایا گیا جن سے نفس انسانی کا اچھی طرح تزکیہ ہو جاتا ہے۔ لیکن تزکیہ نفس کے لیے خلوت بھی معین ہوتی ہے اور حکماء اور راہبوں نے اس کے لیے برس بہا برس بلکہ اپنی

عمر میں خلوت میں گذاری نہیں جس میں دشواری ہے۔ تمدن و معاشرت کی بیچ بکنی اور تعطل ہے اور فطرت انسانی کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس میں کامیابی بھی مشکل ہے۔ اسلام میں خلوت کے لیے صرف رمضان شریف کا آخر عشرہ مقرر فرمایا گیا ہے جس میں رمضان اور روزہ کے انوار و برکات بھی ہیں اور شب قدر ہونے کی وجہ سے ہزار مہینہ کی خلوت سے بھی زیادہ موجب خیر و برکات ہے اور اس دس روزہ خلوت میں بھی بالکل ترک تعلق ضروری قرار نہیں دیا گیا کہ کسی سے بات اور تہ بات کر و بلکہ صرف ناجنس کے اختلاط سے باز رکھا گیا ہے۔ اسی لیے اعتکاف کے لیے مسجد میں ہونا ضروری ہے تاکہ ناجنسوں سے ہر طرح محفوظ رہے۔ اور ہم جنس نیک لوگوں کی صحبت تزکیہ نفس میں کبھی رکاوٹ نہیں ہو سکتی بلکہ اور زیادہ معین ہوتی ہے۔ مگر یہ دولت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ اسی کو ملتی ہے جسے اللہ و رسول پر ایمان و یقین ہو۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہیں وہ یہ سعادت عظمیٰ کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔

”رمضان المبارک میں مراتب اور درجات کی ترقی“

رمضان المبارک کا مہینہ عام مغفرت و معافی کا مہینہ ہے جس میں گناہوں اور خطاؤں کے اثرات و نشانات مٹ کر قلب صاف و شفاف ہو جاتا ہے اور نفس انسانی کا اچھی طرح تزکیہ ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور اس کو اللہ پر یقین اور اس کے ثواب کی

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا
وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ

مِن ذَنْبِهِ - امید ہو تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے
(صحیحین) جاتے ہیں

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "میری امت کو ماہ
رمضان میں پانچ خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں
گئیں۔"

ایک یہ کہ ماہ رمضان کی پہلی رات میں اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت عطا
فرماتے ہیں۔ اور جس پر اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ہو گئی اور اس کو وہ کبھی عذاب
نہ دیں گے۔

دوسرے یہ کہ روزہ داروں کی شام کے وقت کی منہ کی بدبو بھی اللہ تعالیٰ
کے یہاں مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ خوشبو دار ہے۔

تیسرے یہ کہ فرشتے ان کے لیے ہر شب و روز دعائے مغفرت کرتے
رہتے ہیں

چوتھے یہ کہ اللہ عزوجل جنت کو حکم فرماتے ہیں کہ میرے ان بندوں
کے لیے خوب آراستہ اور تیار روزہ عنقریب یہ دنیا کی مشقت سے راحت حاصل
کرنے کے لیے میرے گھر میں اور میرے اعزاز و اکرام میں آئیں گے۔

پانچویں یہ کہ جب روزوں کا آخری دن ہوتا ہے تو ان سب روزہ داروں
کی مغفرت کر دی جاتی ہے

ایک صحابی نے عرض کیا کیا وہ شب قدر ہے
ارشاد فرمایا نہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اجیر لوگ کام کرتے ہیں پھر جب

وہ کام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو ان کی اجر میں پوری پوری دے دی جاتی رہتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ماہ رمضان کی ہر رات میں اقطار کے وقت ایک لاکھ نفوس دوزخ سے رہا کر دیئے جاتے ہیں جو سب کے سب جہنم کے سزاوار تھے۔ پھر جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو اس دن آپس اللہ تعالیٰ جہنم سے اس قدر لوگوں کو رہا فرماتے ہیں جتنا کہ اول ماہ سے آخر تک رہا کئے گئے ہیں (نہضتہ از بہقی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے رمضان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نیا لے کی مغفرت کر دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کر نیا لے کر رمضان میں ناکام نہیں کیا جاتا (نہضتہ از بہقی) یہی نہیں بلکہ رمضان المبارک میں خیر کے اسباب میں افزونی کر دی جاتی ہے اور خیر کے ابواب کھول دیئے جاتے ہیں اور اسباب شر میں کمی کر دی جاتی ہے۔ اور شر کے ابواب کو مسدود کروایا جاتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے اللہ کے بندے امور خیر میں سبقت کریں اور شر و فساد کے قتنہ سے محفوظ رہیں۔ صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے	إِذَا جَاءَ رَمَضَانَ فَتُفْتَحُ
کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے	أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِقَتْ
بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر	أَبْوَابُ النَّارِ وَصَفَدَتِ
دیئے جاتے ہیں۔	الشَّيَاطِينَ (رواہ البخاری و مسلم)

اور یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ رمضان المبارک میں گناہوں کی جانب میلان

میں نمایاں کمی ہو جاتی ہے اور طاعات کی جانب رغبت میں اضافہ ہو جاتا ہے پھر بھی رمضان المبارک میں جو شر و معاصی نظر آتے ہیں اور گناہوں کا صدور ہوتا ہے اس کا محرک نفس خبیث ہوتا ہے اور وہ بری عادتیں ہوتی ہیں۔ جو پہلے سے طبیعت میں رسوخ پائے ہوئے ہیں یا پھر ان لوگوں کے شیاطین کے اثرات ہیں جو روزے نہیں رکھتے کیوں کہ یہ سارے اہتمام روزہ داروں کے اعزاز میں کیے گئے ہیں اور یہ مشاہدہ ہے کہ روزہ دار بیشتر گناہوں سے روزہ کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔

روزہ داروں کی عام مغفرت و معافی اور ان کے نفوس کے تزکیہ اور تہذیب کے بعد ان کو کس قدر اجر و ثواب ملتا ہے اور کس قدر ان کے مراتب اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ یہ وہ علیم و خبیر ہی جانتا ہے جس کی خاطر اس نے اپنی لذات اور شہوات کو ترک کیا ہے

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابن آدم کا ہر عمل ایک ٹکی و س گنا سے لے کر ثبات سو گنا تک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ اس کے علاوہ ہے کیوں کہ روزہ خالص میرے لئے ہے میں ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں میری ہی وجہ سے اس نے اپنی شہوت اپنے کھانے پینے کو چھوڑا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس اعزاز و اکرام خداوندی کے بعد کون تاوان رمضان شریف کے روزے چھوڑ سکتا ہے۔ پھر جب یہ مہینہ بھر کا مجاہدہ و ریاضت ختم ہو جائے تو اس اہم فریضہ بندگی کی ادائیگی و فکری گذاری میں دو اور اہم عبادتیں عطا کی گئیں ایک یہ کہ ہر

صاحب استطاعت صدقہ فطر ادا کرے تاکہ روزوں میں جو کوتاہی ہو گئی اس کی بدل مال سے فی الجملہ تلافی ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ تمام مسلمان اجتماعی طور پر دو گانہ عید ادا کریں اور اللہ کے نام کو بلند کریں

یہ نماز اور روزہ بدنی عبادات ہیں جن سے ظاہری و باطنی پاکیزگی بخوبی حاصل ہو گئی۔ مال و دولت کے تزکیہ و تطہیر کے لیے مالداروں پر زکوٰۃ فرض کی گئی۔

دو تیسرا رکن مال کی زکوٰۃ ادا کرنا،

تمام حکماء مرتاضین۔ جوگیوں۔ سنیاسیلوں اور راہبوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مال کی محبت اندرون قلب سے نکالے بغیر نہ تزکیہ نفس حاصل ہو سکتا ہے اور نہ تہذیب اخلاق ہو سکتی ہے تمام اخلاق رذیلیہ اور برائیوں اور خرابیوں کی اصل جڑ اور بنیاد یہی مال و دولت کے ساتھ محبت اور فرط تعلق ہے جس کا اصل منشاء نفس کی حرص و ہوس ہے جو کبھی پوری نہیں ہوتی۔ پھر تمام عقلاء اور دانشوروں کو بھی اس پر اتفاق ہے کہ افراد اور اقوام کی اصل تباہی سرمایہ اور افراط زر ہے اسی لیے سرمایہ دارانہ نظام سے خلاصی کے لیے اشتراکی نظام قائم کیا گیا تاکہ قوم سرمایہ داری کی تباہی سے بچے اور دولت کی مساویانہ تقسیم ہو جو وہی عقل و فطرت کے خلاف ہے اور سرمایہ دارانہ نظام سے بھی بدتر ہے اور ابتر ہے جس کے مفاسد آنکھوں کے سامنے ہیں کہ اشتراکی نظام کے باوجود نہ دولت کی صحیح تقسیم ہو سکتی اور نہ ہو سکتی ہے اور نہ مساوات قائم ہو سکتی اور نہ ہو سکتی ہے، غرض یہ امر مسلمات سے ہے کہ تمام مفاسد اور مظالم کی اصل بنیاد

سرمایہ و دولت ہے۔ حکماء، متراضین، جوگیوں، سنیاسیوں اور راہبوں نے بھی اس کے لئے جو مجاہدے اور ریاضتیں کیں اور مشقتیں و محنت اٹھائی اس میں کوئی نمایاں کامیابی نہ ہوئی اور بہت کم شاذ و نادر افراد اپنے مقصد کو فی الجملہ حاصل کر سکے۔ پھر ماں و دولت سے بالکل یہ بے تعلق ہو جانا نہ ہر شخص کے بس کی بات ہے اور نہ ہر شخص اس کو اختیار کر سکتا ہے عمومی مرض کا عمومی دوا نہیں ہے۔ اور دنیا کے عقلا اور دانشور بھی اس سلسلہ میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ تو ایک عمومی اور بادی کا پیش خیمہ ہے۔ اس کی ناکامی اور خرابی تو اسی سے ظاہر ہے کہ ہر روز اس میں نئی نئی اصلاحی ترمیمیں ہو رہی ہیں اور ابھی تک بھی کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ ہر نظریہ پہلے نظریہ کی تردید ہوتا ہے

حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس مال و دولت کے مفاسد اور مضار سے حفاظت کے لیے مال کی زکوٰۃ کو فرض فرمایا۔ اسی لیے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ مال کی مفرتوں کا ازالہ کر کے اس کا تزکیہ کرتا ہے تاکہ یہ نوع انسانی کو ضرر نہ پہنچائے چنانچہ مال کی زکوٰۃ کی ادائیگی کو دین کا جزو اہم قرار دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اور نہیں حکم کے گئے لوگ مگر یہ کہ اللہ کی

عبادت کریں اس کے لیے دین کو

خالص رکھتے ہوئے سیدھے سیدھے

اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکاۃ اور

یہی دین قیم ہے۔

وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ

وَلْيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا

الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ

الْقِيَمَةِ

اس آیت میں پہلا رکن بھی آگیا جو توحید و رسالت اور شریعت اسلامی کا

اعتراف و تقیاد ہے اور دوسرا رکن اقامت صلوٰۃ اور پوچھا رکن ایستاء زکوٰۃ بھی آگیا۔
 جو شخص ان تینوں ارکان کا پابند ہو گا وہ لامحالہ پورے دین کا مطیع ہو گا
 کیونکہ نماز کو قائم رکھنا عبادت و طاعت کا بدنی ثبوت ہے اور اللہ تعالیٰ کے
 حکم سے اپنے مال میں سے مخصوص حصہ نکالنا یہ مالی ثبوت و اعتراف ہے اسی لیے
 قرآن مجید میں جگہ جگہ ایمان باللہ کے بعد صرف صلوٰۃ اور ایستاء زکوٰۃ کا حکم فرمایا
 ہے ان دونوں سچائی اور مالی عبادتوں کی پابندی کے بعد پھر باقی سارے دین
 کی پابندی ایک ناگزیر امر ہے۔

اس زکوٰۃ و صدقہ کی فرضیت کا مقصد و نفس انسانی کا تزکیہ و تطہیر ہے
 ارشاد باری ہے۔

خُدْمِنُ أَمْوَالِهِمْ صِدْقَةً
 تَطَهَّرُوهَا وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔
 اے محمد تم ان کے اموال میں سے
 صدقہ لو تاکہ اس کے ذریعہ ان کو پاک
 کرو اور ان کا تزکیہ کرو۔

زکوٰۃ کی ادائیگی سے نفوس کا تزکیہ — کس طرح ہوتا ہے؟ — اور سرمایہ و
 دولت کے نقصانات اور مضر اثرات سے قوم اور افراد کی کس طرح جینا نطقت ہوتی
 ہے؟ — اور دولت و سرمایہ کی صحیح تقسیم کس طرح وجود میں آتی ہے۔
 اس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ البالغہ
 میں تحریر فرماتے ہیں "زکوٰۃ کی فرضیت میں دو مصلحتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے
 ایک مصلحت کا مال تزکیہ نفس اور تہذیب نفس ہے اور وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ
 سے نخل کا ازالہ ہوتا ہے اور نخل سب سے بری عادت ہے جس کی وجہ سے

بخوص مع الخائنین۔ والوں کے ساتھ جھکتے تھے۔

اور نیز جب کسی مسکین کو کوئی شدید حاجت پیش آتی ہے اور تدبیر الہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی حاجت کو اس طرح پورا کیا جائے کہ کسی شخص کے قلب میں اس مسکین پر شرح کرتے کا واعیہ پیدا کیا جائے۔ تو پھر وہ اسی طرح ظہور میں آتا ہے اس القام غیبی کے لیے اس کے قلب میں انبساط پیدا ہوتا ہے اور الشراح روحانی محقق ہوتا ہے اور رحمت خداوندی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جو تہذیب نفس کے لیے یقیناً مفید ہے۔ یہ الہام اجمالی بھی فوائد میں الہام تفصیلی کے تابع ہوتا ہے۔

اور نیز صدقات سے خطیبات کا کفارہ ہوتا ہے اور برکات و حسنات میں افزونی ہوتی ہے یہی تزکیہ نفس ہے۔

دوسری مصلحت کا مال شہری ملی اور قومی منافع ہیں اور وہ یہ ہے کہ شہر اور قوم میں لا محالہ کمزور اور حاجت مند لوگ بھی ضرور ہوتے ہیں حوادث زمانہ ایک قوم پر آتے ہیں اور دوسری قوم پر گذر جاتے ہیں اگر ان میں فقراء و مساکین اور اصل حاجات کی بمدروی اور خیر خواہی کا دستور نہ ہو گا تو وہ لوگ ہلاک ہوں گے اور فقر و فاقہ سے مریں گے۔ اور نیز ملکی اور قومی نظام بھی مال اور سرمایہ پر موقوف ہے جس سے محافظین اور مدبرین و سیاستدان اور حکام و عمال کے روزیے دیئے جائیں۔ جب یہ لوگ ملک اور قوم کی وجہ سے مفید ضروری کاموں میں مشغول ہیں اور کسب معاش چھوڑے ہوئے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کی معیشت کا بوجھ بھی قوم ہی پر پڑے اور مشترک اخراجات کا تحمل بعض کے لیے آسان نہیں ہوتا اور بعض لوگ اس پر قادر نہیں ہوتے تو ضروری

ہو کہ رعایا سے اموال جمع کئے جانے کا کوئی دستور و قاعدہ ہو۔
جب کہ یہ امر دشوار تھا اور مصلحت کے موافق نہ تھا کہ ایک مصلحت کو
دوسری مصلحت کے ساتھ ملایا جائے تو شریعت نے ایک دوسرے میں
داخل کر دیا

پھر ضرورت اس کی پیش آئی کہ زکوٰۃ کی مقدار متعین کر دی جائے۔ اگر یہ
تعین نہ ہوتی تو اس کی ادائیگی میں مفرط افراط سے کام لیتا اور ظالم اپنے پر ظلم کرنا
اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مقدار نہ اتنی کم ہو جس کی پروا نہ ہو اور بخل کا ازالہ نہ
کرے اور نہ اتنی زیادہ ہو کہ ادائیگی ان کے لیے دشوار ہو جائے اور مدت اتنی
طویل بھی نہ ہو جس سے بخل کا ازالہ نہ ہو سکے اور محتاج لوگوں کو طویل انتظار
کرنا پڑے موافق مصلحت یہی تھا کہ اس کے لیے وہ مدت رکھی جائے جس
میں سلاطین اپنی رعایا سے عموماً ٹیکس وصول کرتے ہیں الخ (حجۃ اللہ البالغہ۔۔
جلد اول ص ۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے البیدور البازغہ میں مختصر الفاظ میں

زکوٰۃ کے مصالح اور حکمتوں کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

الزکوٰۃ بمنزلة غذاء دولتی	زکوٰۃ ایسی غذائی وواکی مانند ہے
تقتضیہا خلق اسماحة وینتظم	جس کی سخاوت مقتضی تھی اور اس کی
بہا شمل المدینة ولیعبدا للرب	وجہ سے شہری امور کا انتظام ہوتا ہے
تبارک وتعالی من قبل	اور رب تبارک وتعالی کی بالضرورت
الاندفاع الیہا بالضرورة وتلدفع	عبادت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی بارگاہ

الشروس وتطفى، غضب الله
 تعالى وتنفع من فتنه القبر
 وتكسر حجاب الطبع من قبل
 التصديق واذا ادى على وجهها
 نفعت من سوء المعرفه
 وصفت بها النفس عن الهثيات
 الرذيلة ونفع فدا عن لجد
 وجعلت شريعة لا تحصى
 منفعت من غوائل الرسو
 (البدور البارحة ص ۲۱۳)

میں پیش ہوتی ہے اور شرور کو رفع کرتی
 ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو فرو
 کرتی ہے اور فتنہ قبر سے نفع دیتی
 ہے اور طبیعت کے اس حجاب کو چاک
 کرتی ہے جو تنگی دل کی وجہ سے لائق ہو
 اور جب زکوٰۃ کو اس کے طریقہ کے موافق
 ادا کیا جائے تو سوء معرفت سے نفع
 دیتی ہے اور اس کی وجہ سے نفس
 ہشیات رذیلہ سے چھائی ہوتا ہے۔
 اور بندہ کی طرف سے جذبہ کا کام دیتی
 ہے۔ اور جب شریعت کا ناقابل انکار
 جزو قرار دے دیا گیا ہے تو رسوم کے
 اثرات سے نفع دیتا ہے۔ (البدور البارحة ص ۲۱۳)

پس زکوٰۃ اہم ترین عبادت خداوندی ہے جس سے نفسانی پیرائیوں کا ازالہ
 کیا گیا ہے، اور اجتماعی ملکی اور قومی ضروریات کو پورا کیا ہے اور تمام اقتصادی مشکلات
 کا مداوا کیا گیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے خیر کثیر میں زکوٰۃ کی حقیقت یہ بیان فرمائی ہے۔
 و صورتہا فی صرافۃ
 النفس افاضتہ المکملات العلیۃ
 اور زکوٰۃ۔۔۔ صورت نفس انسانی
 میں علمی اور عملی کمالات کا فیضان ہے

والخملیة و فی الواہمۃ تمثلت
 سخاوة و نزلت دافعہ للبخل
 و فی الخارج استوطن امہات
 الاموال و ہی صنوف اربعة
 البھائے و النقد و الزروع
 و التجارات (الخیر الکثیر متا)
 اور قوت و اہمہ میں وہ سخاوت کی صورت
 اختیار کرتی ہے اور بخل کو دفع کرنے
 والی سے۔ اور خارج میں امہات اموال
 چار نوع ہیں ۱۱) بہائم اور ۱۲) نقد و اور
 ۱۳) زروع اور ۱۴) تجارت (انہی کی زکوٰۃ
 ادا کی جاتی ہے)

غرض زکوٰۃ کی ایک مصلحت خاص ہے کہ اس سے مال و دولت کے مضر اثرات
 کا ازالہ ہوتا ہے اور نفس انسانی کا تزکیہ و تطہیر ہو کر تقرب خداوندی اور رضائے الہی
 حاصل ہوتا ہے۔ دوسری مصلحت عام ہے کہ اس سے ناداروں و حاجت مندوں
 کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور ملکی اور قومی ضروریات کی کفالت ہوتی ہے اور
 دولت کی صحیح تقسیم عمل میں آتی ہے۔ اس وقت دوسری مصلحت سے تفصیلی بحث
 مقصود نہیں۔ یہ ملکی مدبرین اور مفکرین کا کام ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی کے ساتھ
 غور کریں۔

صرف اس قدر ضرور عرض کرنا ہے اگر اس وقت زکوٰۃ و صدقہ و خیرات
 کے صحیح نظام کو عالم میں پھیلایا جائے تو دنیا کی ساری اقتصادی مشکلات کا
 ازالہ ہو جائے، دولت کی صحیح تقسیم ہو جائے اور مستحقین تک ان کا حق پہنچ جائے
 اور دنیا میں کوئی بھوکا نہ لگتا رہے۔ اسلام کا دور اولین اسی اقتصادی نظام کی
 کامیابی کا عین ثبوت ہے۔ اس خداوندی اقتصادی نظام کے قائم کرنے
 کی وجہ سے سرمایہ داری نظام کی ساری خرابیاں بھی دور ہو جائیں گی اور

اشتراکی نظام کی ساری خرابیاں بھی دور ہو جائیں گی کیوں کہ یہ فطرت انسانی کا صحیح ترجمان ہے اور قانون فطرت کے بالکل موافق ہے اس کے خلاف جو بھی اقتصادی نظام قائم کیا جائے گا فطرت انسانی اس کو قبول نہیں کر سکتی اور نہ وہ نظام تمام انسانوں کی ضروریات کی کفالت کر سکتا ہے

نفوس انسانی کے تزکیہ اور تطہیر کے لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ زکوٰۃ و صدقہ و خیرات کے منافع اور ثمرات کو واضح اور صاف صاف بیان کیا جائے تاکہ نفوس انسانی بشارت اور طیب نفس کے ساتھ ان کی ادائیگی کی جانب مائل ہوں اور اس اتفاق مال میں ان کو گرائی اور ناگواری نہ ہو۔ اس ریاضت میں بھی آسانی ہو جائے۔ اور مال جمع کرنے اور زکوٰۃ صدقہ و خیرات نہ کرنے کے مقاصد اور خرابیوں کو واضح طور پر بیان کیا جائے تاکہ طالع خود ان سے متنفر اور بے زار ہو جائیں اسی لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ اتفاق فی سبیل اللہ کے منافع کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں کوتاہی اور کمی نے برے اثرات سے بار بار آگاہ کیا گیا ہے اسلام کی یہ بھی ایک بڑی خوبی ہے کہ انسانی زندگی اور تازگی اور پاکیزگی کے لیے جو شے جس قدر زیادہ ضروری اور لابدی تھی اسی قدر مضر اور نقصان رساں تھی اسی قدر اس سے بچایا اور ڈرایا گیا ہے اور تمام منافع اور مضار کو واضح طور پر سامنے رکھ دیا گیا ہے تاکہ عقل سلیم اور فہم مستقیم کو اس سے انکار اور انحراف کی گنجائش نہ رہے

و زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کا منافع اور ثمرات ،،

اتفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ و صدقہ و خیرات کے تمام منافع اور ثمرات کا تو احاطہ

نہیں کیا جاتا اور نہ یہ بشری طاقت میں ہے کہ وہ ادا امر خداوندی کے اسرار و حکم کا احاطہ کر سکے۔ صرف دو بیہی منافع اور ثمرات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے (۱) زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات سے مال و دولت میں کمی نہیں ہوتی بلکہ بچد و نہایت افزونی ہوتی ہے جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودگی کے لیے خرچ کی گئی ہے وہ آخرت میں اس کے لیے ذخیرہ کر دی جاتی ہے جس میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے

اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ ہو
بن کر لوگوں کے اموال میں افزونی کرے
تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتی اور جو تم
زکوٰۃ وغیرہ سے دیتے ہو جس سے اللہ تعالیٰ
کی رضا مقصود ہو تو وہی لوگ ہیں جن
کے مال میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًّا لِّرَبِّوَا
مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوَا
عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا آتَيْتُم مِّنْ
زَكَوٰةٍ تُرِيدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔

(۲۷ و ۲۸)

سووی کاروبار اسی لیے کیا جاتا ہے کہ اس سے دولت میں اضافہ ہو لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں خسارہ کا کاروبار ہے۔ اصل منافع بخش کاروبار یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اس سے دولت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ عادت خداوندی یہی ہے کہ وہ سووی کاروبار کو ملیا میٹ فرماتے ہیں۔ اور اپنی راہ میں خرچ کیے ہوئے میں افزونی فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سو اب کو ملیا میٹ کرتے ہیں
اور صدقات کو بڑھاتے ہیں

لِيَحِقُّ اللّٰهُ الرِّبَّوْا
الصَّدَقَاتِ۔

انفاق فی سبیل اللہ میں مال و دولت میں کس قدر افزونی ہوتی ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعہ اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

مثال ان لوگوں کی جو اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس وانہ جیسی ہے جو سات بال اگائے اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں زیادہ فرمادیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے جانتے والے ہیں

مثل الذین ینفقون
اموالہم فی سبیل اللہ کمثل
حبۃ انبثت سبع سنابل فی کل
سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضعف
لمن یشاء واللہ واسع علیم
(بقرہ ۲۶۷)

یہ محض تشبیہ ہی نہیں بلکہ بہرمان و حجت بھی ہے کہ جس طرح محسوسات میں یہ مشابہہ ہے کہ ایک دانہ خاک میں ملاوینے سے اس کے معاوضہ میں سات سو دانے عطا کئے جاتے ہیں اور اس مشابہہ سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک خرچ کرنے کے معاوضہ میں سات سو عطا کئے جاتے ہیں۔ جس طرح وہ قانون فطرت کے مطابق ہے اسی طرح یہ بھی قانون قدرت کے مطابق ہے۔ یہ دنیا آخرت کے لیے عالم مثال ہے جس طرح یہاں اعمال کا بدلہ عطا کیا جاتا ہے اسی طرح وہاں بھی اس دنیا کے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے۔ اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اور جو شخص ذرہ برابر خیر کام کرے گا
وہ اسکو پائے گا۔ اور جو شخص ذرہ برابر

وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ خَیْرًا یَرَهُ وَمَنْ یَعْمَلْ

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَىٰ - برا کام کرے وہ اس کو پائے گا۔
یہ دنیا تو آخرت کے لیے محض ایک کاشتت کا مقام ہے۔ جیسا بوٹے گا۔
ویسا پائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعمال چھ قسم کے ہیں اور لوگ چار قسم کے ہیں۔ اعمال کی چھ قسم یہ ہیں کہ واجب کرنے والے ہیں اور وہ عمل برابر برابر ہیں اور ایک عمل دس گنا اجر و ثواب رکھتا ہے اور ایک عمل سات سو گنا اجر و ثواب رکھتا ہے۔ واجب کرنے والے دو عمل یہ ہیں کہ جو شخص اس حال میں وفات پائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ہو تو اس کا جنت میں داخل ہونا واجب اور لازم ہے اور جو شخص کفر و شرک کی حالت میں مرے اس کا جہنم میں داخل ہونا واجب اور لازم ہے (اس کے برخلاف نہ ہو گا)۔ اور عمل برابر برابر یہ ہیں کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کر سکے اس کو ایک ثواب ملتا ہے (کیوں کہ اس کا یہ ارادہ بھی ایک عمل خیر ہے) اور جو شخص برا کام کرے اس کو ایک سزا دی جاتی ہے۔ (کیوں کہ برائی کا بدلہ اس کے برابر ہونا چاہئے)۔ اور جو شخص کوئی نیک کام کرے اس کو دس گنا ثواب ملتا ہے۔ (المحسنۃ بعشر امثالہا) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اس کو ہر خرچ کا سات سو گنا ثواب ملتا ہے۔ اور لوگوں کی چار قسم یہ ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں بھی وسعت ہے اور آخرت میں بھی۔ دوسرے وہ جن پر دنیا میں وسعت ہے اور آخرت میں تنگی نہیں آتی۔ وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں تنگی ہے اور آخرت میں وسعت۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں بھی تنگی ہے اور آخرت میں بھی تنگی (کنز العمال) دنیا میں فقر و تنگی مقدر تھی اسی کے ساتھ

اعمال کی خرابیوں کی وجہ سے آخرت بھی خراب ہوگئی اور دنیا و آخرت دونوں ہی براب ہو گئے۔ اصل کامیاب پہلا اور تیسرا گروہ ہے۔ دوسرا گروہ بھی خسارہ میں ہے۔ چند روزہ کشمکش و فرائض پر مغرور اور نازان ہے، اگر بلا کسی اجر و ثواب کے بھی ہماری ذاتی و اجتماعی اغراض کے لیے یہ اخراجات ہمارے پر عائد کر دیئے جاتے تب بھی عین حکمت اور مقصدانہ فطرت تھا کیوں کہ ان کے بغیر نہ حاجت مندوں کی حاجات پوری ہو سکتی ہیں اور نہ اجتماعی اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے ہر مملکت عوام پر ٹیکس لگانے پر مجبور ہے اور اللہ تعالیٰ تو مالک الملک و حکم الیٰ کمین خالق و مربی کائنات ہے یہ اس کا اپنے بندوں پر مزید فضل و انعام ہے کہ ان اخراجات کو بھی عبادت بنا کر موجب اجر و ثواب قرار دے دیا۔ اسی لیے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے بندوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کو قرض شمار کیا گیا ہے جو ایسے وقت ادا کیا جائے گا۔ جس وقت اس کی شدید احتیاج ہوگی اور اس قدر اضافہ کر کے دیا جائے گا جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

کون شخص ہے جو اللہ عزوجل کو قرض منہ دے پھر اللہ تعالیٰ اس کو بیت بیاوہ اس کے لیے بڑھا دیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور فراخی دیتے ہیں۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقرضُ
اللَّهَ قَرْمًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ
لَهُ أَصْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ
يَقْبِضُ وَيَبْصِطُ وَإِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ۔ (بقرہ ع ۲۳)

اس قرض دینے سے مراد اللہ کی رضا اور خوشنودی کی حاصل کرنے کے لیے اس کے نادر حاجت مند بندوں پر خرچ کرنا ہے جس کا معاوضہ وہ بندے

نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اور اپنی نشان کے مطابق عطا فرماتے ہیں کیوں کہ ان ہی کے حکم سے یہ خرچ کیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیا گیا ہے تو وہ گویا بارگاہ خداوندی میں ایک حقیر پیش کش ہے۔

(۲) زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کی وجہ سے مال و دولت میں خیر و برکت ہوتی ہے

اور دنیا میں بھی مال و دولت میں افزونی ہوتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ
فَهُوَ يَخْلُقْ۔
اور جو چیز تم اللہ کے لیے خرچ کرو
گے تو وہ اس کا بدل دے گا۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک دعا کرتا ہے کہ الہی تو اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، اور دوسرا فرشتہ بد دعا کرتا ہے کہ الہی تو اپنی راہ میں خرچ نہ کرنے والے کے مال کو تلف فرما (نزهہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی بندہ اچھی طرح صدقہ خیرات کرتا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے منتر و کہ مال میں اس کا اچھا بدل عطا فرماتے ہیں۔

زکوٰۃ کی وجہ سے مال و دولت کی حفاظت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ تم اپنے مال کی حفاظت کرو اور صدقہ کے ذریعہ اپنے مرہینوں کا مداوا کرو (نزهہ) کیوں کہ زکوٰۃ نہ دینا خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اور خرچ کرو تم اللہ کے راستہ میں اور

اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

وَاحْسِنُوا إِلَى اللَّهِ يَجِبُ
الْمُحْسِنِينَ۔

لوگوں پر احسان کرو بے شک اللہ تعالیٰ
احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

جس کا حاصل یہ نکلا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقہ و خیرات کی فراوانی سے
سرمایہ آخرت میں بھی بے شمار بے حد و حساب افزودنی ہوتی ہے اور اس دنیوی
سرمایہ میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور تلف و اضعاف سے اس کی حفاظت و نگرانی
کی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ منافع بخش سود مند کاروبار کیا ہو سکتا ہے جس
میں دنیا اور آخرت دونوں کی ترقی ہو۔

”زکوٰۃ نہ دینے کی سزائیں“

جس طرح افعال خداوندی کی خاصیتیں ہیں اور ان کو تحقیق و جستجو اور تجربہ
کے بعد معلوم کر لیتے ہیں اسی طرح اوامر خداوندی کی بھی لامحالہ خاصیتیں ہیں
جو غیر محسوس ہونے کی وجہ سے ہمارے مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں آسکتیں ان
کے اور اک اور شعور کے لیے آنکھوں کی بصارت کافی نہیں ہے۔ قلب کی
بصیرت بھی درکار ہے۔

ان کا اصل مشاہدہ و ظہور تو آخرت میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے کچھ اثرات
اس دنیوی زندگی میں بھی پڑتے ہیں۔ اسی کو ثواب و عذاب اور جزا و سزا کہتے
ہیں ان اوامر الہیہ کی بجا آوری پر ثواب اور جزا مرتب ہوتی ہے اور ان کی
نافرمانی پر عذاب و سزا مرتب ہوتی ہے۔

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب اور اس کی سزا کا اصل ظہور و مشاہدہ تو عالم آخرت
میں ہوتا ہے جو وارا جزا ہے لیکن اس کے کچھ برے اثرات اس دنیا کی زندگی میں بھی

ضرور ظاہر ہوتے ہیں جیسا کرے گا ویسا دیکھے گا۔

زکوٰۃ نہ دینے کی عالم آخرت میں دو طرح سزا دی جائے گی۔
فرمایا کہ اسی مال و دولت کو آگ بنا کر ان کے جسموں کو اس سے داغا جائے

گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ
أَلِيمٍ يَوْمَ يُجْعَلُ عَلَيْهِمْ فِي
أَرْجَائِهِمْ فَتُكْوَىٰ بِهِمُ الْجِبَاهُ
وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا
مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ فَاذْكُرُوا
مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ۔

(توبہ ع ۵)

اور جو لوگ سونے اور چاندی کا ذخیرہ
رکھتے ہیں ان کو اللہ کے راستہ میں
خرچ نہیں کرتے تم انہیں دردناک
عذاب کی خوشخبری سنا دو جس دن
اس ذخیرہ کو ہنیم کی آگ میں تپا یا
جائے گا۔ پھر اس سے ان کا پیشانیوں
اور پسلیوں اور پشتوں کو داغا جائے
گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ
ذخیرہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا
تھا۔ اب تم اس کا مزہ چکھو جو تم
نے جمع کر رکھا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے
مروی ہے کہ اس خزانہ سے وہ مال مراد ہے جس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی گئی۔
اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہے وہ مال منزی (پاکیزہ) ہے اس وعید
میں داخل نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سونے یا چاندی کا مالک ہو اور اس کا حق یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو جب قیامت کا دن ہوگا اس سونے چاندی کے پترے بتائے جائیں گے اور ان کو جہنم کی میں تپا کر آگ بنایا جائے گا۔ پھر ان سے اس شخص کا پہلو اور پشیا فی اور کمر داغی جائے گی اور بار بار اسی طرح داغ ویٹے جاتے رہیں گے۔ اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی جتنی کہ جب لوگوں کے اعمال کا فیصلہ ہو جائیگا اس کے بعد یہ شخص بھی اپنا راستہ دیکھے گا جنت کی جانب یا جہنم کی جانب (جب اس کے حق میں فیصلہ ہو) (مشکوٰۃ)۔ دوسرے یہ کہ اس مال و دولت کا طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ ارشاد باری ہے۔

اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو نخل کرتے ہیں اس مال کے خرچ کرنے میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے کہ وہ ان کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ ان کے لیے بڑی شربہ کیوں کہ عنقریب وہ قیامت کے دن اس کے طوق پہنائے جائیں گے۔ جس مال کے ساتھ نخل کیا ہے اور اللہ ہی کے لیے آسانوں اور زمین کی میراث ہے اور اللہ

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ
يَبْخُلُونَ بِمَا أَنعَمَ اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ
لَّهُمْ وَسَيُطَوَّقُونَ مَا يَخْلُوا بِهِ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ مِيرَاثُ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - وَ
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ -
زال عمران

تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طوق جو اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔ ایک زہریلے سانپ کی شکل میں ہوگا جو برابر اس کو ڈستار ہے گا اور یہ وہی مال ہوگا جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہے۔

غرض جس مال کی محبت اور حفاظت میں حق تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی تھی انجام کار وہی مال آخرت میں اس کے لیے مختلف شکلوں میں وہاں جان عذاب ہوگا۔

دنوی زندگی میں زکوٰۃ نہ دینے کے برے اثرات اس طرح مرتب ہوتے ہیں کہ مختلف شکلوں سے اس کو مالی مشکلات اور دشواریاں پیش آتی ہیں۔ جس فراخی اور فارغ البالی کی وجہ سے یہ مال بچایا تھا وہ مزید تباہی و بربادی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم اپنے اموال کی زکوٰۃ دینی چھوڑ دیتی ہے تو اس سے آسمانوں کی بارش روک دی جاتی ہے۔ یعنی وہ لوگ قحط سالی اور تنگی میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں (نزہۃ الناظرین) اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مال بھی خشکی یا دریا میں کہیں تلف ہوتا ہے وہ زکوٰۃ کو روکنے کی وجہ سے تلف ہوتا ہے۔ (فضائل صدقات (از ظہرائی)

غرض زکوٰۃ دینے میں دنیا و آخرت دونوں جہاں کی آسائش و کشائش ہے

اور زکوٰۃ نہ دینے میں دونوں جہاں میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یہ کارخانہ عالم اسی طرح چل رہا ہے سرمایہ دار غربا کے محتاج ہیں۔ اگر غربا نہ ہوں تو وہ سرمایہ کس طرح فراہم کر سکتے ہیں؟ اور غربا سرمایہ داروں کے محتاج ہیں بے سرمایہ ان کی حاجات کس طرح پوری ہو سکتی ہیں۔

پس اگر سرمایہ داران کی حاجات پوری نہ کریں تو یہ صریح ظلم و ستم ہے۔
 و زکوٰۃ کے آداب و شرائط،

جس طرح ہر عبادت کے آداب و شرائط ہوتے ہیں کہ وہ بارگاہ خداوندی میں قبولیت کے لائق ہو جائے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے لیے بھی آداب و شرائط ہیں تاکہ یہ حقیر رقم بارگاہ ذوالجلال میں پیش ہونے کے قابل ہو جائے۔

(۱) سب سے پہلی اور سب سے اہم شرط اور ادب یہ ہے کہ اس سے مقصود محض رضائے الہی اور حکم خداوندی کی بجا آوری ہو یا نمود کو اس میں دخل نہ ہو۔

اگر ریاء و نمود کو اس دخل ہو گیا تو یہ عبادت ہی تاکارہ اور بے کار ہو گئی۔ اور بارگاہ خداوندی میں تقرب کے لائق نہ رہی۔ ارشاد خداوندی ہے

وَاعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ
 لَهُ الدِّينَ - اور عبادت کرو تم اللہ کی اس کے لیے
 دین کو خالص رکھتے ہوئے۔

اور جس عبادت میں اعراض کی آمیزش ہو اس کو شرک قرار دیا ارشاد خداوندی ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ
 جَوْشَمُخْصِ اِنِّسِ پَر و ر و گ ا ر ک ی م ل ا ق ا ت

اور یومِ آخرت کی نمر خروٹی کا امیدوار
ہو اس کو چاہئے کہ عمل صالح کرے اور
اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو
شریک نہ بنائے۔

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا
صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ
رَبِّهِ أَحَدًا۔

(الکہف)

(۱۲) دوسرے یہ کہ اپنے صدقہ و زکوٰۃ سے دوسرے پر احسان جتا کر یا اس
اس کو ایذا پہنچا کر ضائع اور برباد نہ کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى

درحقیقت صدقہ و زکوٰۃ میں جس طرح لینے والے کی وینوی بعض حاجات
پوری ہوتی ہیں اسی طرح دینے والے کی اس سے زیادہ آخروی اور دنیوی
حاجات پوری ہوتی ہیں۔ پھر اس کو اس پر احسان جتانے کا کیا حق ہے یہی خود
اس کا ممنون احسان ہے۔ اس کو خود اس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس کے
طفیل حق تعالیٰ نے اس کو عبادت کی توفیق دی۔

(۱۳) تیسرے یہ کہ اپنے محبوب اور مرغوب مال کو اللہ کے راستہ میں
پیش کرے۔ رومی اور خراب مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا
شاہوں کے دربار میں رومی خراب نذرانہ پیش کرنا بلکہ اس سے بھی بدتر
اور اہتر ہے ارشادِ باری ہے۔

اے ایمان والو تم اپنی کمائی میں سے
عمدہ عمدہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا
مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ۔

وَلَا تَيْسَرُوا لِحَبِيثَاتٍ مِنْهُ
يُنْفِقُونَ وَلَسُوا بِأَخِدَانِهِ
إِلَّا أَنْ تُغْنِيَهُمْ فِيهِ -

اور اس میں سے اوننی کا ارادہ نہ کرو
جس سے خرچ کرو۔ حالانکہ تم ایسی
چیز کو اسی وقت قبول کرو جب اس
میں چشم پوشی کرو۔

تو آخرت کی اصل کامیابی اسی میں ہے کہ اللہ کے راستہ میں اپنی محبوب
شے کو خرچ کیا جائے۔

تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچو گے جب تک
ان چیزوں کو خرچ نہ کرو گے جن سے
تم محبت رکھتے ہو۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا
مِمَّا تُحِبُّونَ -

یہ ہے زکوٰۃ کی اصل جو اہم فریضہ خداوندی بھی ہے اور تزکیہ نفس اور بڑی
ریاضت بھی ہے جس میں معاشی مساوات کو اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ مالداروں
کے اموال میں ناواروں کا حق مقرر کرویا گیا۔

اور ان کے اموال میں سائل اور ناوار
کا بھی حق ہے۔

رَبَّنَا أَمْوَالَهُمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ
وَالْمَحْرُومِ -

گویا چالیس تولہ چاندی میں ایک تولہ اس کی نہیں ہے غریب و مساکین کا حق ہے
جو ان تک پہنچانا ضروری ہے۔ اور وہ بھی اس وقت جب کہ اس پر پورا ایک
سال گزر جائے جس میں کوئی بھی دشواری اور تنگی نہیں ہے، ہر شخص باستانی
اس قدر خرچ کر سکتا ہے، اور ساری اقتصادی مشکلات کا صحیح علاج ہو سکتا
ہے۔

پانچواں رکن بیت اللہ کا حج کرنا

انسان کو اپنے پروردگار خالق اور مالک کی عبادت و طاعت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تو ضروری اور لازمی امر تھا کہ اس کی عبادت و طاعت کے لیے کوئی خصوصی عبادت خانہ بھی بنایا جاتا جو عبادت کی جانب جذب و کشش پیدا کرے اسی لیے نوع انسانی کے لیے سب سے پہلے بیت اللہ تعمیر کرایا گیا جو سب انسانوں کے لیے مامن و ملجاء ہے۔ ارشاد باری ہے۔

بے شک پہلا گھر جو انسانوں کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے جو برکت والا اور صداقت والا ہے۔۔۔ تمام جہانوں کے لیے اس میں کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وَّضَعْنَا لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ فَايَاتُ بَيِّنَاتٍ لِّمَنْ هَدَيْنَا وَرَهْمًا لِّمَنْ كَانِ اِمْتًا

امن والا ہو جاتا ہے منجملہ ابراہیم بھی ہے

آیت کریمہ میں چند باتوں کا ذکر ہے بیت اللہ پہلی تعمیر ہے جو تمام انسانوں کی عبادت کے لیے بنائی گئی جس کے اثرات و منافع ساری مخلوق تک پہنچتے ہیں۔ سب انسان اس کی برکات سے فیضیاب ہیں بیت اللہ تمام جہانوں کے لیے خیر و برکت اور رشد ہدایت کے لیے مرکزی مقام ہے۔ حرم محترم کے تمام مقامات اور شعائر مقبولین بارگاہ کے مآثر اور مشاہد ہیں ان ہی میں مقام ابراہیم بھی ہے۔

حرم محترم ہمیشہ سے ایمان اور ایمان والوں کا مرکز اور محور رہا۔ جو شخص یہاں

ایمان کی پونجی لے کر داخل ہو گیا وہ ہمیشہ کے لیے ہر طرح سے مامون اور محفوظ رہ گیا
 آسمانوں پر فرشتوں کی عبادت کے لیے "بیت المعمور" بنا یا گیا اور دنیا میں
 انسانوں کی عبادت کے لیے بیت معمور کے بالکل محاذات میں بیت اللہ بنا یا گیا
 ہے جس کی پہلی تعمیر فرشتوں کے ہاتھوں ہوئی۔ پھر اس تعمیر کی دوبارہ تجدید
 حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ السلام کے ذریعہ ہوئی۔ چنانچہ بیت اللہ تعمیر
 ابراہیمی بھی ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ اور عبادت گاہ بھی ہے۔ اور
 ابتداءئے آفرینش سے انسانوں کے لیے مرکز بندگی اور مرجع و مامن ہے جس
 سے انسانوں کا قیام و بقا وابستہ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً
 لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا۔
 اور جب کہ بنا دیا ہم نے بیت اللہ
 کو انسانوں کے لیے مرجع اور مامن۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْحَرَامَ
 قِيَامًا لِّلنَّاسِ۔
 اللہ تعالیٰ نے بنایا کعبہ محترم کو انسانوں
 کے قیام کا ذریعہ۔

آج جس شخص میں جس قدر عبادت و بندگی کا ذوق و ذائقہ ہو گا اسی قدر
 اس اصل مرکز بندگی کی جانب اس کا میلان و رجحان ہو گا اور اس جانب طبعی
 لگاؤ اور قلبی کشش ہوگی۔

دوسری قومیں جب ایمان باللہ سے محروم ہو گئیں اور کفر و شرک کی گندگی
 میں پھنس گئیں تو اس اصل مرکز بندگی سے بھی بعید ہو گئیں۔ اُمت مسلمہ چونکہ
 ایمان باللہ سے سرفراز ہے اس لیے پورے طور پر اس مرکز بندگی سے وابستہ

ہے اور اسکے حج و طواف کی مامور ہے۔ کلام ربانی ہے۔

مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا
وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ
عَنِ الْعَالَمِينَ۔

اور اللہ کی رضا کے لیے انسانوں پر بیت
اللہ کا حج ضروری ہے جو بھی اس تک
پہنچنے کی استطاعت رکھے اور جو شخص
کفر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں
سے بے نیاز ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حج بیت اللہ کی ادائیگی و تحقیقت فریضہ انسانی اور
شیوہ بندگی ہے جس سے انحراف سراسر کفر اور طغیان ہے۔ اسی لیے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص توشنہ اور سواری رکھتا ہو جو اس کو بیت
اللہ تک پہنچا سکے پھر بھی وہ حج ادا نہ کرے تو کوئی فرق اس میں نہیں کہ وہ یہودی
ہو کر مرے یا نصرانی کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ
الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (مشکوٰۃ شریف)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کے لیے حج
سے مالخ واقعی مجبوری یا ظالم بادشاہ کا خوف یا شدید مرض نہ ہو پھر بھی وہ بغیر حج
کیے مر جائے تو اس کو اختیار ہے چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی (مشکوٰۃ شریف)۔
چنانچہ حج بیت اللہ معظم شعائر اسلامی سے ہے اور ملت اسلامیہ کا خصوصی
امتیازی شعار ہے۔ اور اہم فریضہ خداوندی بھی ہے جو جاتی اور مالی قربانی پر مشتمل
ہے۔ اور نفس انسانی کے لیے سب سے بڑا آخری مجاہدہ دریاضت بھی ہے۔
جس کی وجہ سے نفس کا پورا تزکیہ اور تطہیر ہو کر گناہوں اور گندگیوں کے تمام اثرات

اور نشانات مٹ جاتے ہیں اور انسان نو مولود بچہ کی طرح بالکل معصوم پاک و مٹا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کرے اور ہر قسم کی بے ہودگی اور نافرمانی سے بچے وہ ایسی حالت میں حج سے لوٹتا ہے گویا آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔ (مشکوٰۃ از صحیحین) کیوں کہ حج بیت اللہ سابقہ تمام گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ **ان الحج بہدم ما کان قبلہ اور بے شک حج سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اسی لیے حج مقبول کا ثمرہ صرف جنت ہے الحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة (صحیحین)** حج مقبول کا بدلہ صرف جنت ہی ہے۔

حج بیت سب سے اہم مجاہدہ و ریاضت کس طرح ہے؟

اس کو ذرا تفصیل اور غور و تدبر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

عبادات خداوندی پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بندوں پر دو نوع کے مجاہدے مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک وہ مجاہدے جن میں عقلیت کی شان غالب ہے اور طبیعت مغلوب ہے جیسے نماز روزہ زکوٰۃ اور دوسرے وہ مجاہدہ جن میں طبیعت غالب ہے اور عقلیت کی شان مغلوب و مہموت ہے اور یہ حج بیت اللہ ہے۔

اور اس تنوع کارازیم ہے کہ مجاہدہ مقصود و منازعات نفس کو مغلوب کرنا ہے یعنی جو قوی اطاعت خداوندی میں کشاکش پیدا کریں ان کو ایسی طرح مغلوب کر دینا اور دبا دینا کہ نفس انسانی اطاعت و انقیاد کا خوگر ہو جائے۔

اور منازعات نفس مختلف نوع کے ہیں ایسی لیے ان کے لیے مجاہدے بھی مختلف نوع کے مقرر کئے گئے۔ کوئی مجاہدہ کسی منازعت کو مغلوب کرنے کے لیے اور کوئی کسی منازعت کو مغلوب کرنے کے لیے ہے۔ چنانچہ نماز سے کبر و جاہ کا دبانا مقصود ہے۔ اور روزہ سے قوۃ شہویہ بہیمیہ کا انکسار مقصود ہے اور زکوٰۃ سے جب مال کو دل سے نکالنا مقصود ہے۔ غرض مجاہدات کی حقیقت منازعات نفسانی کو کرنا ہے۔ اب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے منازعات کرنے والی طرف دو تھے ہیں عقل اور طبیعت۔ کبھی عقل طبیعت پر غالب آتی ہے اور اس کو خلاف عقل کا کرنے روک دیتی ہے۔ اور کبھی طبیعت عقل پر غالب آتی ہے۔ اور اس سے بے عقلی کا کام کرا دیتی ہے۔ یہی دو چیزیں دین حق اور اتباع شریعت الہیہ سے روکنے والی ہیں چنانچہ حکماء اثر اقبین اور مشائخ کو جس چیز نے اتباع حق سے روکا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اتباع سے محروم رہے وہ عقل ہی ہے کیوں کہ طبیعت کے اقتضات کا انھوں نے بخوبی علاج کر لیا تھا بڑے بڑے مجاہدات سے نفس کا تزکیہ کر کے اپنے اخلاق مہذب و مثالی بنا لیے تھے اس لیے طبعی منازعات تو ان میں فی الجملہ مغلوب ہو گئے تھے۔ ان کو دین حق سے روکنے والی جو چیز تھی جو انبیاء کرام کے اتباع سے مزاحم ہوئی وہ صرف ان کی عقل ہی تھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ **فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ**۔ زنازان ہیں وہ اپنے اس علم پر حیوان کے باس ہیں۔

میں بخوبی اس کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنے علم پر اتر گئے اور اپنے علم کے سامنے انبیاء کرام کے علوم کو لپٹ سمجھنے لگے جس کی وجہ سے ان کے اتباع اور حق قبول کرنے سے محروم رہے۔

یہی حقیقت اس زمانہ کے عقلاء فرنگ اور جدید فلاسفوں کا ہے۔ وہ اپنی عقول اور علوم کے سامنے انبیاء کی علوم کو پست سمجھتے ہیں اور ان کے اتباع سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہ السلام کے علوم کے سامنے ان کے علوم و عقول کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام چونکہ مخلوق خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجے گئے اس لیے ان کے علوم عوام کے مزاج اور طبائع کے مطابق ہوتے ہیں۔ اگر وہ بھی فلاسفوں کی طرح الجھی ہوئی غامض و دقیق الجھی ہوئی باتیں بیان کرنے لگیں۔ تو مخلوق خدا کو ان سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور کس طرح مخلوق کی رہنمائی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کو کلام ربانی اور وحی خداوندی ہے۔ نہایت سہل عام فہم الفاظ کا جامہ پہنا کر نازل فرمایا گیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی عقل و فہم کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
 فَهَلْ مِنْ مُدْرِكٍ
 اور بے شک آسان کیا ہے ہم نے قرآن
 کو نصیحت لینے کیلئے تو کیا کوئی نصیحت
 قبول کر سکتا ہے۔

اگر قرآن مجید کو حق تعالیٰ اپنی شان جلالی اور کبر بانی کے مطابق نازل فرماتے تو کون اس کا تحمل کر سکتا تھا، جب کہ سخت پہاڑ بھی اس کا تحمل نہیں کر سکتے۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ
 عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا
 مَتَّصِدًا غَمًّا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ
 اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اسے مخاطب تو اس کو اللہ کے خوف سے
 دب جائیو اللہ اور بچھٹ جائیو اللہ دیکھتا۔

وادی طور میں ایک ہی نخلی تو بوٹی تھی جس نے کوہ طور کو ریزہ ریزہ کر دیا اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام جیسے قوی العزم پیغمبر بے ہوش ہو کر گر گئے۔

پھر قرآن مجید تو کلام ربانی ازلی ابدی ہے اور سراسر تجلیات الہیہ پر مشتمل ہے
اس کا نوع انسانی ہے کس طرح تحمل ہو سکتا تھا۔ اور دراصل یہی قرآن مجید کا کمال
اور اعجاز ہے سہل اور آسان اس قدر کہ ہر شخص اس سے استفادہ کر سکے۔ دقیق اور عالی الاقدار
کہ فصحاء عرب اس کے مقابلہ اور محارضہ سے عاجز ہو گئے اور تمام علوم و معارف اس سے سامنے کر دیے ہیں لہذا یہی عجاہبہ

(اس کے عجائبات کی انتہا نہیں ہے) یہی حال انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم و معارف
کا ہے کہ وہ باومی النظر میں معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت تمام حکماء اور
فلاسفران کی ماہیت کے اور اک سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم و معارف کا مقام تو بہت اونچا ہے فلاسفر
کے علوم و عقول تو اولیاء اللہ کے معارف حقائق کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے
جو انبیاء کرام کے نائب ہیں اور صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کے خوشنہ
چہن اور کشف بردار ہیں

پھر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا کلام انتہائی تنزل کے بعد بھی اس قدر
اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے کہ انتہائی مفید اور سہل ہونے کے باوجود اسطوارا فلاطون
حکماء و شرافین اور حکماء مشائخ کسی کو بھی اس کے مغز تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ مگر
اس کی بے عقلی کا کیا علاج کہ فلاسفر کی عقل میں یہ موٹی بات بھی نہ آئے یہ
ان کی ناقص عقول ہی کا اثر تھا کہ وہ حق قبول کرنے سے باز رہے۔ فِرْحُوا

بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔

دوسری شے جو قبول عین حق سے مانع ہوتی ہے وہ انسان کی طبیعت ہے۔
 طبیعت کا مقضایہ ہے کہ تمام شہوات اور لذات سے تمتع حاصل کرے۔ اور
 اس پر کسی قسم کی بندش اور روک ٹوک نہ ہو۔ یہی وہاں آج کل یورپ کے ممالک میں پھیلی
 ہے۔ ان کی طبائع ان کی عقول پر غالب آچکی ہیں۔ اور بہر خاص و عام نفسانی خواہشات
 اور لذات و شہوات کے پیچھے پڑا ہوا ہے جس کے کم و بیش اثرات سارے ممالک
 پر پڑ رہے ہیں اور عقول انسانی روز بروز مسخ ہو رہی ہیں۔

غرض دین حق سے مانع دو شے ہیں عقل و خواص اور اہل علم کے لئے انقیاد
 مانع ہوتی ہے۔ اور طبیعت سب کے لیے اتباع حق سے مانع ہوتی ہے۔

پس مجاہدہ اور ریاضت کا حاصل یہ ہوا کہ عقل اور طبیعت دونوں کو مغلوب
 کیا جائے۔ اب نفس کی اصلاح اور تہذیب کے لیے دو قسم کے اعمال کی ضرورت
 ہوئی۔ ایک وہ اعمال جن پر عقلیت غالب ہو۔ تاکہ ان کے ذریعہ طبیعت کو مغلوب
 کیا جائے۔ جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کہ ان کے معقول ہونے سے وہی شخص
 انکار کر سکتا ہے جس کے دماغ میں فتور ہے اور عقل و فہم سے بالکل عاری
 ہے۔

اور دوسرے قسم کے اعمال وہ ہونے چاہئیں جن میں عقلیت کی شان
 مغلوب ہو عقل براہ راست ان کو نہ سمجھے بلکہ ان میں طبیعت کا غلبہ ہو طبعی
 تقاضے سے ان کو کیا جائے۔ جب عقل اور طبیعت دونوں کی رعایت کر کے
 دونوں کو عبادت میں لگا دیا جائے گا تو دونوں کو خداوند عالم سے تعلق قائم ہو کر انہیں
 شان انقیاد آجائے گی اور دونوں حد اعتدال پر آجائیں گے اور حق واضح ہو کر مجاہدہ

نام ہو جائے گا۔

اس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی کہ جس طرح ہمیں پہلے قسم کے اعمال کی ضرورت ہے اسی طرح دوسری قسم کے اعمال کی بھی ضرورت ہے اور ان کا نام اور مکلف ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے صرف عقل کو مغلوب کر لینا کافی نہیں ہے کیوں کہ طبیعت بیشتر عقل کی مزاحم ہوتی ہے اور جب عقل اور طبیعت میں تزام اور تنازع ہوتا ہے تو لیسا اوقات طبیعت ہی عقل پر غالب آجاتی ہے۔ کیوں کہ عقل پر بیشتر وہم کا اثر غالب رہتا ہے پس اگر مجاہدہ کے اندر صرف عقل کو اعمال پر قائم کیا جاتا اور طبیعت کو مہمل چھوڑ دیا جاتا تو سخت دشواری پیش آتی مثلاً نماز کا وقت آیا تو عقل کا تقاضہ ہے کہ نماز پڑھنا چاہیے اور طبیعت پرستی و کسلبندی طاری ہے تو لامحالہ نماز ترک ہوگی کیونکہ مزاحمت کے وقت اکثر طبیعت ہی غالب آجاتی ہے یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ بعض مجاہدوں کے ذریعہ طبیعت کو بھی مہذب اور منقاد بنا دیا اور خود طبیعت کا بھی یہی تقاضا ہوگا کہ اٹھا کر نماز پڑھوا دے گی اسی لیے فقہائے مجاہدات یہ ہے کہ امور شرعیہ بھی امور طبعیہ بن جائیں اور طبیعت خود ان کی طرف راغب ہو جائے۔ اسی کو ملکہ راسخہ یا طبیعت ثانیہ کہتے ہیں یعنی تمرین و مشق سے طبیعت کا رنگ بدل جائے۔ بفضلہ تعالیٰ اس رنگ کا حصہ کم و بیش ہر دیندار مسلمان میں پایا جاتا ہے کوئی اس سے بیکسر خالی نہیں ہے۔ دیکھو اگر کسی نمازی آدمی کو نماز کے وقت دو آدمی رستے سے باندھ دیں تو وہ یہی کوشش کرے گا کہ رستہ توڑ کر بھاگے اور نماز ادا کرے۔

اس کا راز یہی ہے کہ اس کی طبیعت بدل گئی ہے وہ کشاں کشاں اس کو اپنے

مقتضا کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کے برخلاف بے نمازی کے لئے نماز بہر حال میں دشوار ہے۔ کیوں کہ نفسانی شیطانی اثرات سے اس کی طبیعت بالکل مسخ ہو گئی ہے جو اس کو امر حق سے روکتی ہے۔ اس لئے طبیعت کا مسخر و مغلوب کرنا اور اس کے مزاج کا رنگ بدلنا اتہائی ضروری ہے۔ طبیعت اور عقل کی مثال ریل گاڑی جیسی ہے کہ انجن میں جو کلیں ہیں ان کے ذریعہ پیوں کو گھما کر بھی چلا سکتے ہیں۔ لیکن سخت مشقت ہوگی۔ اور ریل گاڑی کچھ دور جا کر رک جائیگی زیادہ مسافت طے نہ کر سکے گی۔ یہ مثال عقل کی ہے کہ عقل کے ذریعہ بدن سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن بہت مشقت کے ساتھ اور بہت کم۔

اور اگر اس انجن میں آگ پانی بھی ہو اور ان کی بھاپ کے ذریعہ گلوں کو گھمایا جائے تو پھر اس کے ذریعہ بلا مشقت ہزاروں میل کی مسافت طے کر سکتے ہیں۔ اور کی جاتی ہے۔ کیوں کہ اس کی طبیعت بھاپ کے ذریعہ بدل گئی۔ یہی مثال اور حال طبیعت کا ہے کہ اگر طبیعت کا رنگ بدل جائے تو اس سے بلا تکلف بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں۔

پس ایسے مجاہدوں کی بھی ضرورت ہوتی جو طبیعت کو مسخر اور مغلوب کر کے اس کا رنگ بدل دیں۔ ان میں سے ایک بڑا مجاہدہ "حج بیت اللہ" ہے۔ اس لفظ ہی سے اس کا پتہ بھی چلتا ہے کہ اس سے مقصود طبیعت کے ذریعہ عقل کو مغلوب کرنا ہے۔ کیوں کہ طبیعت اور عقل کے آثار میں تفاوت ہے عقل کا مقتضا یہ ہے کہ نفس عبادت کا اہتمام ہو قیود اور عبادت کا التزام بالکل نہ ہو کیوں کہ عقل تجرد کو چاہتی ہے۔ تعینات اور شخصیات سے اس کو

تفرد ہے۔ اور طبیعت چوں کہ محسوسات سے مانوس ہے اس لیے اس کو قیود اور مہیئات سے انس ہے۔ اور جس امر میں تجربہ ہو اس سے مانوس نہیں بلکہ متوحش ہوتی ہے۔ بہت اللہ کی جانب حج کا امتساب ہی اس امر کو بتا رہا ہے کہ یہ طبیعت کے اقتضا کے زیادہ مطابق ہے۔ عقل اس کو بالکل جائز قرار نہیں دیتی۔

اسی طرح حج کے دیگر ارکان و افعال ہیں کہ طبیعت کے بالکل موافق ہیں اور عقل ان سے یکسو اور بیگانہ ہے۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ ارکان و افعال عقل کے خلاف ہیں۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ باوی النظر میں ہر ایک عقل کی ان کی ماہیت اور نوعیت تک رسائی نہیں۔ ان کی معقولیت کا وہی نفوس احساس کر سکتے ہیں۔ جن کو قدرت کی جانب سے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا کی گئی ہے اور اسرار الہیہ سے آگاہ کئے گئے ہیں۔

کسی امر کا بعض عقول میں نہ آنا اس کے خلاف عقل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ وہ فلاسفوں کی وہ ساری تحقیقات جو عام عقول سے بالا ہیں خلاف عقل ہوں۔ غرض حج کے جس قدر ارکان اور افعال ہیں۔ وہ سب بظاہر عقل کے خلاف نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ اس مجاہدہ میں عقل کی رعایت نہیں ہے۔ جو کچھ ہے سب طبیعت کے مذاق کے موافق ہے۔ کیوں کہ طبیعت نبو و مکانی اور مہیئات و تعینات کو مقتضی ہے۔

رہا یہ امر کہ طبیعت میں یہ رجحان و میلان کسی طرح پیدا ہوا۔ تو تحقیق و تبلیغ

سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ طبیعت جس سے مغلوب ہوتی ہے وہ صرف ایک شے ہے جس کا نام محبت ہے۔ محبت ہی وہ شے ہے جس سے طبیعت مغلوب ہو جاتی ہے اور اس کے سامنے سب بیکار محض ہو جاتی ہے۔ طبیعت کی کیفیت یہ تھی کہ وہ وہم کی مسخر تھی لیکن محبت کے سامنے سب اوہام بھی جاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی حسین پر عاشق ہو جاتا ہے، تو دولت و خواری رسوائی و بدنامی جو طبیعت کے خلاف تھے سب گوارا کر لیتا ہے۔ ع.ع. عاشق بدنام کو پروا سے تنگ و نام کیا۔ غرض محبت سے طبیعت بھی مغلوب ہو جاتی ہے اور محبت کا ایسا اور ظہور اسباب سے وابستہ ہے۔ اسباب ہی سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور اسباب ہی سے باقی رہتی ہے۔ افعال اور ارکان حج میں عشق و محبت کے تمام اسباب کو حسن و خوبی سے جمع کر دیا ہے۔ جن سے عشق خداوندی کی پرورش و نشوونما بھی ہوتی ہے۔ اور عاشق الہی کی تسکین بھی ہے۔ اگر حج بیت اللہ کی عبادت مشروع نہ ہوتی تو عشاق خداوندی غم ہجر سے جان دیدیتے، اور درحقیقت یہ عبادت جان دینے ہی کی قربان گاہ ہے۔

اسی لیے حج کا آخری رکن جانور کی قربانی ہے جو فضل خداوندی سے انسانی جان کا بدل قرار دیدی گئی ہے۔ وَقَدْ آتَيْنَاهُ يُدِّ بِحِ عَظِيمٍ ہم نے اسمعیل کا قدیہ بڑی قربانی سے دے دیا۔

یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے جانور کی قربانی کو انسانی جان کا قدیہ بنا دیا۔ ورنہ عشق خداوندی کا اصل تقاضا تو یہی تھا کہ وہ اس

قربان گاہ پر اپنی جان قربان کرے۔ پھر یہ مزید فضل و احسان فرمایا کہ جو شخص اس
 قربان گاہ تک پہنچنے کی استطاعت نہ رکھے اس کے لئے صرف جانور کی قربانی
 کو ضروری قرار دیا۔ جو ہر جگہ کی جاسکتی ہے۔ اور قربانی کی بھی استطاعت
 نہ رکھے تو وہ اس قربانی کے بجائے دو گانہ عید ادا کر کے بلند آواز سے تکبیرات
 کہے اور اپنے عشق و محبت کا بڑا اظہار و اعلان کرے۔ اسی لئے ہر نماز میں
 بیت اللہ کی جانب منہ کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے تاکہ ان کا قلبی
 تعلق اس مرکز بندگی سے ہمیشہ وابستہ رہے۔ چنانچہ کوئی بھی مسلمان ایسا نہ نکلے گا
 جس کے قلب میں بیت اللہ کے حج و زیارت کا شوق موجزن نہ ہو۔ بہر مومن
 و مسلمان کا قلبی تعلق اس بیت اللہ سے وابستہ ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ
 میں رہتا ہو۔ اگر کچھ نہیں ہے تو یہ تعلق بھی اس کی طبیعت کا رنگ بدلنے کے لیے کافی
 ہو سکتا ہے۔ غرض عقل انسانی کو مغلوب اور مہیوت کرنے کے لئے حج کی
 عبادت فرض کی گئی اس عبادت سے منع بھی ہے اور عبادت کا دائرہ بھی بہت
 زیادہ وسیع ہو گیا کہ گھر سے نکلنے کے بعد واپسی تک جو بھی تعب و مشقت
 کا کام کرے گا وہ عبادت و طاعت میں داخل ہے بشرطیکہ وہ حق تعالیٰ کی
 معصیت و نافرمانی نہ ہو۔ اور نفس انسانی کو اتقیا و تمام بھی حاصل ہو گیا کیوں کہ
 حج میں وہ ارکان ادا کرائے جاتے ہیں جو عقول کے بھی بظاہر خلاف ہیں۔
 اور طبائع مشکل سے ان پر آمادہ ہوتی ہیں صرف جذبہ محبت اور فرط تعلق ہی
 ان کو ادا کراتا ہے۔

”حج بیت اللہ کے منافع اور مصالح“

کرا سیر نفس اور بندگی

ان صانع

ہر امر خداوندی کے شمار منافع اور مصالح پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ بھینز پر اور بھینز پر
خداوندی تو ضروریات بندگی اور لوازمات زندگی سے مراد ہے۔ یہ منافع نہیں۔ یہ منافع
اور مصالح سے کس طرح خالی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حج کے متعلق یہ شاعر نے فرمایا ہے:

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ
يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ
ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ
عَبِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ

کریں منافع کی مثال۔ ان منافع میں وہ منافع بھی شامل ہیں جو ان کے لئے
فرائض خداوندی میں دینی اخروی منافع اور مصالح بھی ہوتے ہیں۔ اور یہ
دنیوی منافع بھی۔ دینی منافع اصل اور مقصود بالذات ہوتے ہیں اور دنیوی
منافع بالذات مقصود نہیں ہوتے بلکہ ضمناً اور قریباً حاصل ہوتے ہیں۔ منافع بھی
حاصل ہوں تو اخروی منافع کافی ہیں۔ دنیوی منافع کو مقصود بالذات بنانا
اور صرف ان کے حصول کے واسطے ہونا۔ ان فرائض کی دینی حیثیت کو
ضائع اور برباد کرنے کے مترادف ہے۔ فرائض اپنی وقت تک فرائض
رہتے ہیں جب تک کہ ان کو محض حکم خداوندی کی حیثیت سے بجایا جائے
اور ان سے مقصود محض رضا الہی اور فرمانبرداری ہو۔ دیگر اغراض کی شمولیت
حقیقی بندگی کے بالکل منافی ہے۔ اور ایک گونہ شرک ہے۔ چنانچہ یہ دنیوی
منافع اگر دیگر ذرائع سے حاصل کئے جائیں گے تو وہ فرض عبادت کے

قائم مقام کسی طرح نہیں ہو سکتے اور نشان کو فریضہ خداوندی شمار کیا جائے گا۔
 حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجرت اللہ الباقیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب
 حج میں صیاح کی رعایت رکھی گئی ہے ان میں بیت اللہ کی تعظیم ہے اور
 کیونکہ یہ شعائر الہی ہے اپنے اور ان کی تعظیم بعینہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعظیم ہے
 ہے اور ایک عام و برابر کا اعتقاد ہے کیوں کہ ہر ملک یا وراثت کے لیے ایسا
 عمومی اجتماع ہونا ضروری ہے جس میں اعلیٰ اور اعلیٰ ہر قسم کے اشخاص مجتمع ہوں
 ہوں تاکہ آپس میں تعارف ہو اور ملحق احکام معلوم ہوں اور ترتیب مل کر شعائر الہی اور
 کی تعظیم کریں اور جو مسلمانوں کے لیے دربار عام ہے۔ ان کی شوکت اور
 اجتماعی طاقت اور ان کی عظمت کا ظہور ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے
 وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَنَّا اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل
 علیہما السلام کے زمانہ سے لوگوں میں جو مذمت جاریہ چلی آ رہی تھی اسکی اوقات
 اور متابعت ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے امام
 ہیں اور انھوں نے شریعت الہی کو عرب میں جاری کیا ہے اور انہی کو کریم صلوات
 اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض یہی ہے کہ آپ کے ذریعہ ملت خلیفہ راجع ہو جائے
 ہو جائے اور اس کی شہرت عام ہو جائے جیسا کہ ارشاد ہے اس لیے کہ
 نواب لا محالہ ضروری ہوا کہ جو موران اماموں سے مستفیض ہوں جیسے ختمال فطرت
 اور مناسک حج ان کی پوری محافظت کی جائے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنے مشاعر پر قائم رہو کیوں کہ تم اپنے باپنہ
 ابراہیم علیہ السلام کے طریق پر چوڑھیں ورنہ میں ملامت ہے۔

اور ان اعمال کا اعلان عام ہے جن سے معلوم ہو جائے کہ یہ موحدین کا اجتماع ہے جو کہ تابع ہیں اور ملت خلیفہ کے پابند ہیں۔ ان نعمتوں پر جو اس ملت کے اذائل کو عطا کی گئی ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے ہیں جیسے صفا و مزوہ کے پاس سعی کرنا اہل جاہلیت نے جو شرکیہ رسوم حج میں شامل کر دی تھیں اور وہ اعمال حج میں شامل کر دیئے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول نہیں تھے۔ اور شرک پر مشتمل تھے۔ ان کو حج سے خارج کرنا ہے کیوں کہ اہل جاہلیت بھی حج کرتے تھے اور حج ہی ان کا اصل دین تھا۔

(مجموعہ اللہ البالغہ جلد اول ص ۵۱)

حج بیت اللہ کی اہم حکمتیں چار ہیں۔ جن کو ذرا وضاحت سے لکھا جاتا ہے۔

(۱) فرشتوں کے ساتھ مشابہت

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب بنی نوع انسان کو روٹے زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو فرشتوں کو اس میں خلجان ہوا کہ جس مخلوق کی طبیعت اور فطرت میں شر و فساد اور قتل و غارت گری کا مادہ رکھا ہوا ہے وہ اس اہم امانت کا بوجھ کس طرح اٹھا سکتی ہے، اور حق نیابت کس طرح ادا کر سکتی ہے۔ اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق کو پیدا فرمائیں

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا

جسے جو اس میں فساد پھیلاؤں اور خیریں

وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ

کریں۔

چونکہ علم خداوندی میں تھا کہ باوجودیکہ ان کی فطرت میں شر و فساد کا مادہ ہے انکی فطرت میں جوہر انسانیت بھی رکھا ہوا ہے جو ان کو حق پرستی کی طرف مائل کرے گا اس لیے ارشاد ہوا **رَآئِيْ اَعْمٰكُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ**۔ (میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔ اور یہی درحقیقت انسان کا اصل کمال ہے کہ جہد و ریاضت اور طاعت و عبادت سے اپنی نفسانیت اور حیوانیت کو مغلوب اور منقاد بنا لیتا ہے۔

پس نبی نوع انسان کے لیے سال میں سے چند مہینے ایسے مقرر کیے گئے جن میں اس کی حیوانیت اور نفسانیت کی ساری خصلتوں کو بالکل ترک کرایا گیا۔ اور جوہر انسانیت کو نمایاں کر کے فطرتوں کے ساتھ مشابہت اور مسابقت کا پورا موقع فراہم کر دیا گیا۔ ارشاد درباری ہے۔

حج چند مشہور مہینے ہیں پس جو شخص ان میں اپنے پر حج لازم کرے تو اس کے لیے زمانہ حج میں نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا بلکہ اس کو چاہیے کہ ہر وقت نیک کاموں میں لگا رہے اور جو کچھ تم نیک کام کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جلتے ہیں اور تم زاد راہ ساتھ لو اور بہترین زاد راہ تقویٰ ہے اور ڈرو تم مجھ سے اسے عقل والو۔

اَلْحَجُّ اَشْرَحُ مَعْلُوْمَاتٍ
فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ
فَلَا رَفَتْ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا
جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوْا
مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمُ اللّٰهُ وَتَزُوْدُوْا
فَاِنَّ خَيْرَ الْاَزَادِ التَّقْوٰى وَ
التَّقْوٰى يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ۔

جس دن اس آیت کو زیر نہیں حجاج کے لیے بتلا دیا گیا کہ ایام حج میں تمہارے لیے یہ سارا
 حیوانی کام سختی کے ساتھ ممنوع ہیں یہ ان ہی منہایت سے کہ ترک کی خصوصی مشق
 اور ریاضت سے تمہارا کام ان ایام میں صرف نیک کاموں میں مشغول رہنا ہے ان
 میں تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرو تو شہ تہا تھیلو اور انہی توشہ میں اضافہ
 نہ کرو تا کہ تمہاری نیکوئی صفات نمایاں ہو جائیں اور حیوانی نفسانی خصلتیں مغلوب
 و مقہور ہو جائیں۔

جب لیتا ہے

زندگی کا اجتماعی اعتراف اعلان

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے روز ازل میں پہلے تمام ارواح انسانی کو پیدا فرما کر میدان
 عرفات میں ان سے اپنی ربوبیت اور خدا نیت کا اعتراف و اقرار کرایا تاکہ وہ
 دنیا میں آنے کے بعد اپنی پوری زندگی کو بندگی کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری
 میں گذاریں اور احکام و اوامر خداوندی سے سر موافقت نہ کریں یہی اسلام
 کا مفہوم اور ایمان کا اصل تقاضا ہے جس کے لیے تمام انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے
 اب عرفات کے اس سالانہ عظیم الشان ملی اجتماع سے مقصد انہی اعتراف و
 اقرار کی یاد دہانی ہے۔ اور خدا پرستوں کی جانب سے اس اعتراف کی پاسداری
 اور اطاعتی ہے کہ جیسا کہ روز ازل میں ہم نے اللہ رب العزت کی ربوبیت اور
 خالقیت اور حاکمیت کا اعتراف کیا تھا ہم اللہ کے فضل سے اس پر قائم ہیں۔ اور
 اللہ رب العزت کی بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری میں استطاعت و قدرت
 کے موافق مصروف و مشغول ہیں اور جس قدر کمی اور کوتاہی ہم سے سرزد ہوئی

اس پر تاہم ورنہ سارے میں اور اپنے عجز و قصود کے لئے تعریف اور معرفت و المعافی کے خواست
 گار ہیں۔ اسی لئے اس ملی اجتماع میں صرف وہی اشخاص شریک ہو سکے ہیں جو مومن
 اور مسلمان ہیں اور اللہ و رسول اور یوم آخرت پر ایمان و یقین رکھتے ہیں۔ ہر شخص اس
 میں شریک نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ عالم افواج میں اجتماعی عہد لیا گیا تھا ویسا ہی اس
 عالم میں ہر سال اجتماعی یاد دہانی اور بندوں کے لیے اس کا اجتماعی ایقا بھی ضروری
 سمجھا گیا ہے۔ جیسا کہ زبوریت کا اعتراف اور بندگی کا عہد عالم ارواح میں لیا
 گیا۔ اسی طرح اجتماعی بندگی کی دعوت عام بھی اول انسانی ارواح کو دی گئی ہے
 چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تمیر بیت اللہ کے بعد جب فاران
 کی چوٹی سے حج بیت اللہ کا اعلان فرمایا تو اس پر ہر معاد و منذر روح نے بیک کہا
 اور بیک زہم حاضر ہیں اپکار تھی ہوتی وہ اس قریضہ بندگی سے بیک ووش ہو گئی
 اور اپنے عہد و پیمان کو پورا کرے گی۔ چنانچہ اطراف عام کے نمائندہ منتخب اشخاص
 ہر سال اس عہد و پیمان کو میدان عرفات میں پورا کرتے ہیں۔

سفرِ آخرت کی یاد دہانی

دنیا کی زندگی اور پیمان کی آسائش و ریاضت چند روزہ ہے۔ اس کے بعد
 آخرت کی زندگی شروع ہوگی جو ابدی و دائمی زندگی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہتا
 ہے۔ انسان اس بارے میں غافل نہ ہو۔ انسان کو اپنے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی
 میں فرق و حقیقت اس سفرِ آخرت کی یاد دہانی ہے تاکہ اپنے والی کھن
 مشکلات سے بچنے کے لیے انسان پہلے سے تیار ہو جائے اور ایک بار کے سفر سے دوسرے

سفر کا عادی اور جو گریں جائے، اسی لیے سفر حج کے ہر موقع پر سفر آخرت کا ایک نمونہ نظر آتا ہے۔

حج کے ارادہ سے جس وقت گھر سے نکلتا ہے تو تمام عزیز واقارب اور دوست و احباب اور مال و دولت کو چھوڑ کر پردیس کا رخ کرتا ہے، اسی طرح مرنے والا مرنے کے وقت سب چھوڑ کر آخرت کا رخ کرتا ہے، دونوں مسافر مسرور شاداں و فرحاں ہیں، ایک بیت اللہ کی جانب جا رہا ہے، تو دوسرا رب البیت کے حضور میں حاضر ہو رہا ہے، احرام کی دو چادریں کفن کی دو چادروں کی یادگار ہیں۔ جو دنیا سے جانے کے وقت اس کے ساتھ ہوں گی۔ باقی ساری دوسروں کی ہوگی۔

احرام باندھنے کے بعد بار بار لبیک (حاضر ہوں) اس حاضری کی یاد دہانی ہے جو روزِ حشر مناوی حق کی آواز پر ہوگی۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونا گویا دارِ آخرت کا داخلہ ہے۔ جہاں بیم ورجا کے ساتھ انسان پہنچتا ہے اور صرف مولیٰ کریم کے رحم و کرم پر نظر ہوتی ہے۔

بیت اللہ کی زیارتِ آخرت میں دیدارِ خداوندی کی سعادت کو یاد دلاتی ہے، صفا اور مروہ کے درمیان پریشان حال پھرنا اس پریشان حالی کو ظاہر کرتا ہے جو قبروں سے نکلنے کے بعد لاحق ہوگی۔ اور ہر شخص حیران و پریشان ہو گا۔ عرفات کا میدان اور وہاں کا اجتماع تو حشر کے میدان اور وہاں کے اجتماع کا پورا نمونہ اور صحیح نقشہ ہے۔ ایک ہی وقت میدان مختلف طبقات انسانی کا اجتماع پھر آفتاب کی تہا زت گرمی کی شدت آب و ہوا کی قلت جگہ کی

غیر موافقت اور ہر شخص کی جداگانہ حیرانی اور پریشانی۔ کبھی مغفرت کی امید کبھی معاصی کا خوف کبھی رحم و کرم کی درخواست اور کبھی عقوبت و تقصیرات کی اتجاہ غرض اسی بیم ورجا کی حالت میں سارا وقت گذرتا ہے۔ اور یہی سارے امور میدان حشر میں بھی پیش آنے والے ہیں۔ عالم آخرت کے پیش آنے والے حالات کا پورا نقشہ سفر حج میں قائم کر دیا گیا جس قدر سفر حج کو عقل و شعور اور فہم و تدبیر کے ساتھ پورا کرے گا۔ اسی قدر سفر آخرت میں سہولت و آسانی ہوگی۔ کیوں کہ دونوں سفروں کا اصل زور راہ تقویٰ و پرہیزگاری اور خدا پرستی و خدا ترسی کی زندگی ہے جو زندگی کا اصل مقصود ہے۔

عشق و محبت خداوندی کا جلوہ عام

ہر انسان کی فطرت میں جذبہ محبت و ولایت رکھا ہوا ہے جو انسان کا اصل جوہر ہے، وہ انسان انسان ہی نہیں جو جذبہ محبت سے خالی ہو اور وہ دل دل ہی نہیں جو داغ و اندازہ ہو۔ اس جذبہ عشق و محبت کا اصل مرکز وہ ذات پاک ہے جو ہر جمال و کمال کو حاوی ہے، اور تمام صفات کمال سے بالذات متصف ہے الحمد للذرب العالمین۔

اسی لیے ہر مومن و مسلمان کا قلب محبت خداوندی سے بہر وقت معمور اور

آباد رہتا ہے۔

اور جو لوگ ایمان لے آئے وہ اللہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ

کی محبت میں، یا وہ سخت ہیں۔

حَبَابًا لِلَّهِ۔

و محبت کا جو جذبہ عظمت و ہیبت ہے سولے سو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی پاک زندگی میں اس عشق و محبت کی مثال قائم کی اور دنیا کے اگلے عاشقانہ زندگی کا اسوہ حسنہ اور اعلیٰ نمونہ قائم فرمایا۔ اسی لیے سنت ابراہیمی کو افضل بیت قرار کیا اور قبیلہ ابراہیمی کو اس عشق و محبت کی خصوصی تجلی گاہ اور مرکزی عبادت گاہ بنا دیا گیا۔

السان کا تعلق اللہ رب العزت کے ساتھ وہ شروع کا ہے ایک بندگی اور غلامی کا کہ وہ ذات پاک مالک سے خالق ہے احکم الحاکمین ہے اور یہ بندہ مملوک ہے اور اس کی مخلوق ہے۔ اس تعلق کا منظر نماز ہے جو ہر مسلمان پر بندگی و غلامی اور نیاز مندی پر مشتمل ہے۔ اس تعلق کی پوری تعمیل زکوٰۃ سے ہوتی ہے کہ مالک کا عطا کیا ہوا مال اس کے حکم سے اس کے ناوار بندوں پر خرچ جائے۔

دوسرا تعلق عشق و محبت کا ہے کہ جمال و کمال پر فخری انسان کا فطری تقاضا ہے۔ اس تقاضے اور جذبے کو پورا کرنے کے لیے حج بیت اللہ مقرر کیا گیا۔ اس حیرت اف غلامی اور اوائلے بندگی کے لیے کسی چیز کو چھوڑنے کی حاجت نہ تھی گھر سے نکلے فریضہ بندگی اور شیوہ غلامی ادا کیا۔ بارگاہ خداوندی میں حاضری دی اور بس لیکن راہ عشق میں سب کچھ چھوڑنا اور ہر شے کو خیر باد کہنا ہو گا۔ کیونکہ یہ راہ عشق کی اولین شرط ہے بندگی سے راستگی گھر کے گوشہ میں ہے تو عشق و محبت کی تکمیل کے لیے وثقت و پیمانہ درکار ہے۔ محبوب کی طلب و جستجو میں

کے مجمع کو تجلی خاص اطلاع دی جاتی ہے۔ جو روز ازل سے عام مغفرت و معافی کا دن مقرر ہے۔ دیوانوں میں نئی روح پھینک جاتی ہے آتش شوق بھڑک اٹھتی ہے وقت مقررہ سے پہلے ہی تجلی گاہ کی جانب نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور راستہ میں بنی میں ٹھہر کر وقت مقررہ کا انتظار کرتے ہیں۔ وقت مقررہ پر ذوق و شوق کے ساتھ میدان عرفات میں پہنچتے ہیں جنگل میں منگل کا نظارہ ہوتا ہے۔ اطراف عالم کے منتخب پرستاران حق اور وارفتگان عشق کا پر جوش اجتماع ہوتا ہے۔ ہر ایک بے تاب دل پر آشوب چشم جمال محبوب کا خواہاں اور جویاں ہوتا ہے۔ اسی لیے آج ظہر اور عصر کی نماز پہلے ایک ساتھ پڑھ لی جاتی ہے تاکہ اس اجتماعی کیفیت میں خلل نہ آئے۔ یہاں عشق و محبت کی تسکین کا پورا سامان ہوتا ہے۔ محبوب کی جانب سے پورے لطف و کرم اور عطاء و بخشش کا اظہار ہوتا ہے عام مغفرت اور معافی کی ارزانی ہوتی ہے۔ ہر نوع کے انعامات کی فراوانی ہوتی ہے اور بہرہ منہ مانگی مراد پوری کی جاتی ہے۔ شاد و کام با مراد وہاں سے لوٹتے ہیں مزد و لقمہ میں پہنچ کر شکر و امتنان کے جذبات پیش کرتے مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں ایک ساتھ ادا کرتے ہیں اگرچہ نماز مغرب وقت سے موخر ہو گئی کیوں کہ حجاج کے لیے اس دن نماز عصر کو مقدم کرویا گیا ہے اور نماز مغرب کو موخر یہ اس روحانی اجتماع کا خصوصی اہتمام ہے پھر فرط محبت اور ذوق شوق میں دیوانہ وار منی پہنچ کر شیطانوں کے کنکریاں مارتے ہیں جو محبوب کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اور تعلق خداوندی سے مانع تھے۔ پھر خوش خوش شادان و فرحان محبوب

تہذیبِ اخلاق

اس سے تو کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اخلاق کی تہذیب اور تربیت کے بعد ہر انسان صحیح معنی میں انسان بنتا ہے اور اس کی انسانی صفات اور خوبیاں نمایاں ہوتی ہیں اسی لیے ہر جگہ تربیت گاہیں اور تعلیم گاہیں قائم کی جاتی ہیں تاکہ لوگوں میں انسانیت آئے ورنہ وہ اور چوپاؤں کی زندگی سے نکل کر مہذب اور شائستہ انسان بنیں۔

اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اخلاق کی تہذیب نفس کے تزکیہ کے بغیر کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اگر نفس کو آزاد اور آوارہ چھوڑ دیا جائے تو کبھی کسی طرح بھی انسانی اخلاق کی تہذیب و درستی نہیں ہو سکتی اسی لیے نفوس کے لیے قسم قسم کی پابندیاں لگائی جاتی ہیں، اور مختلف ریاضتوں اور مشقتوں میں ان کو تیار کیا جاتا ہے تاکہ ان کو مطیع و منقاد بنا کر ان کا رخ صحیح کیا جائے اور ان کی آزادی و آوارگی کو مغلوب کیا جائے۔ ریاضت و مشقت کے بغیر نہ کوئی کام ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، اور ریاضت و مشقت اور جدوجہد کے بعد کوئی کام و شواہد نہیں

(جو کوشش کرتا ہے اس کا ثمرہ پاتا ہے۔)

اختلاف اگر کیا جاتا ہے تو اس امر میں کیا جاتا ہے کہ نفوس کو کن امور کا پابند کیا جائے اور کس ہستی کا مطیع و منقاد بنایا جائے کہ یہ صحیح راستہ پر استوار قائم رہیں تمام انبیاء اور رسولوں اور خداوند عالم کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی متفقہ تعلیم یہ ہے کہ نفوس کا اصل تزکیہ یہ ہے کہ ان کو خداوند عالم خالق کائنات کا مطیع و منقاد بنایا جائے جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کی تربیت اور پرورش کر رہا ہے اس ہستی کے سوا یہ کسی کی بھی اطاعت و انقیاد نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ خالق نے ان کو صرف اپنی اطاعت کے لیے وجود عطا کیا ہے۔ یہ امر بالکل عقل و فہم کے خلاف ہے کہ جس چیز کو جس کام کے لیے بنایا گیا ہے۔ اسے کسی دوسرے مصرف میں لگا کر بے کار کیا جائے۔ پھر یہ وہی اخلاق اختیار کریں۔ گے جو خالق کی صفات کمال ہیں جل جلالہ۔ چنانچہ انبیاء اور رسولوں نے خالق عزاسمہ کا مطیع و منقاد بن کر اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ مخلوق کے سامنے پیش فرما دیا۔

اخلاق کی تقسیم

خلق نفس کی اس ہدیت راستہ کو کہتے ہیں جو افعال خیر یا شر کا اصل مبداء ہے جہاں سے ان افعال کا صدور و ظہور ہوتا ہے۔

اب جو افعال خیر کے مبادی ہیں وہ اخلاق حسنہ ہیں اور جو افعال شر کے مبادی ہیں وہ اخلاق سیئہ۔ اخلاق حسنہ کا منشا چند امور ہیں۔ فطرت کی پاکیزگی یا عادت کی خوبی یا عقل کی راستی یا ایمان باللہ یا توحید باری یہی وہ اسباب ہیں جن سے اخلاق حسنہ کا ظہور ہوتا ہے۔

فطرت کی پاکیزگی اخلاقِ حسنہ کا سبب اس طرح ہوتی ہے کہ نفس کی اصل فطرت و جبلت میں طبعی خباثت سے پاکیزگی کا مادہ پایا جائے اور ابتداء سے پیدائش اور بچپن و اسے بے زحمت تکلف حسن خلق کے آثار صدق و امانت اور ایثار و شفقت وغیرہ اس سے ظاہر ہوں۔ اور پھر زہرہ زہرا میں اضافہ اور افزودنی ہوتی رہے۔

اس سبب کے پیدا ہونے میں ماں باپ کے لطفہ کا پاکیزہ ہونے اور غذا و دودھ وغیرہ کے پاک و نظیف ہونے سے اور دودھ پلانے والی کے اخلاقِ حسنہ کو بڑا دخل ہوتا ہے، یہ سب امور مجتمع ہو جائیں یا ان میں سے کوئی امر وجود میں آجائے تو وہ فطرت کی پاکیزگی کا باعث ہو جاتا ہے۔ پس جس قدر ان کے فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی اسی قدر فطرت ابتداء سے پاکیزہ ہوگی۔ عادت کی خوبی اخلاقِ حسنہ پیدا ہونے کا سبب اس طرح ہوتی ہے کہ ابتداء ہی سے اس کو نیک لوگوں کی تربیت نصیب ہو جائے اور ان کی صحبت میں رہے۔ ان کی نیکی اور خوبی کے نقوش اس پر بھی منقش ہوتے اور ان کے اخلاقِ حسنہ کے بار بار ہمیشہ دیکھتے رہنے سے اس میں بھی وہ اخلاقِ حسنہ چھڑ پکڑ جاتے ہیں اور راسخ ہو جاتے ہیں اور اس کے اندرون کے صفات ذمیرہ اور اخلاقِ سیئہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

اسی لیے ارشادِ ربانی ہے۔

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا

رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

لِلَّهِ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

انسان پر اصل اثر اس کے ماحول اور اس کے ہم نشینوں کا پڑتا ہے جیسی صحبت ہوتی ہے رفتہ رفتہ ویسا ہی بن جاتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اب جیسی صحبت میں بچہ ابتدا سے پرورش اور نشوونما پائے گا ویسے ہی اس کی عادات ہوں گی۔ اسی لیے تمام حکماء اور عقلاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بچوں کو بری صحبت سے بچایا جائے اور اچھے ماحول میں رکھا جائے تاکہ ان میں اچھی عادات اور اچھے اخلاق پیدا ہوں اور بری عادات اور برے اخلاق سے ان کی حفاظت ہو جائے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

عقل اخلاق حسنہ پیدا ہونے کا سبب اس طرح بنتی ہے کہ کسی کی عقل میں وہ نورانیت اور صفائی آجائے جس کی وجہ سے اس کو خیر و شر کی تمیز ہو جائے۔ اور اخلاق حسنہ کی طرف رہنمائی ہو جائے اور ان کے حصول کا ارادہ اس میں پیدا ہو جائے۔ اب جب بار بار ان اخلاق حسنہ اور صفات حسنہ کا تصور اس کے دماغ میں آئیگا تو یہ صفات اس کے نفس میں نقش ہو جائیں گی اور اس کی عادت و جبلت بن جائیں گی عقل کے ذریعہ تمام اخلاق کو نورانی بنایا جائے اور ان عقول کا پابند بنایا جائے جو نورانی بن چکی ہیں اگر اپنی عقل کے پیچھے رہے گا تو ہمیشہ جھکتا رہے گا۔

ایمان باللہ اخلاق حسنہ پیدا ہونے کا سبب اس طرح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ کے لیے آخرت کا ایمان و یقین لازمی شرط ہے جہاں ثواب یا عقاب مرتب ہو گا۔

اچھے اعمال کا اچھا بدلہ دیا جائے گا اور برے اعمال کی سزا دی جائے گی۔
 جب تک آخرت اور جزا و سزا پر یقین نہ ہو اللہ رب العالمین پر ایمان و یقین
 کسی طرح قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام پیغمبروں کی یہ
 متفقہ تعلیم ہے اور عقیدہ آخرت متفقہ عقیدہ ہے اس عقیدہ سے انحراف تو
 تمام الہامی خدائی مذاہب سے انحراف ہے۔

تمام الہامی مذاہب میں اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی گئی ہے، اور یہی وہ اعمال
 ہیں جن کا اچھا بدلہ روزِ حشر دیا جائے گا اور تمام اخلاقِ سیئہ سے منع کیا گیا ہے، اور
 یہی وہ اعمال ہیں جن پر سزا دی جائے گی، اب جب کسی شخص کو ایمان باللہ حاصل
 ہو گا تو وہ لامحالہ اخلاقِ حسنہ پر اجر و ثواب اور اخلاقِ سیئہ پر سزا و عذاب کا عقیدہ
 رکھے گا اور اس اعتقاد کی وجہ سے امورِ خیر اور اخلاقِ حسنہ کی رغبت اس میں
 پیدا ہوگی اور امورِ شر اور اخلاقِ رذیلہ سے اس کو نفرت ہوگی، اور اخلاقِ حسنہ کا جوگر
 بن جائے گا۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ ایمان باللہ صحیح اور مستقیم کیا جائے، ایمان باللہ
 میں خرابی اور کجی تمام اخلاق اور اعمال کو گندہ و پراگندہ خراب و خستہ کر دیتی ہے
 وجہ ہے کہ تمام دیگر مذاہب والوں میں بھی اخلاقِ حسنہ پائے جاتے ہیں کیونکہ ہر
 مذہب میں ان کی تعلیم ہے، مگر ایمان باللہ میں خرابی اور کجی پیدا ہو جانے کی وجہ
 سے یہ اخلاقِ حسنہ بھی نتیجہ خیز نہیں ہوتے اور انجام کارِ شر و فساد کا منبع بن جاتے
 پھر یہی خرابی کیا کچھ کم خرابی ہے کہ یہ عالمِ آخرت میں بارگاہِ خداوندی میں قابلِ پزیرائی
 نہیں ہوتے، ان کا بدلہ اسی دنیوی زندگی میں دے دیا جاتا ہے۔

توحید باری اخلاقِ حسنہ پیدا ہونے کا سبب اس طرح ہوتی ہے کہ جب صرف اس ایک ذاتِ وحدہ لا شریک لہ سے تعلق خاطر وابستہ ہو جاتا ہے تو اس کی تعجبی خاص اس کو اپنے سے فانی فارغ کر کے ذاتِ حق کی واصل بنا دیتی ہے۔ اس وقت اس کا قلب بمنزلہ عرشِ الہی ہوتا ہے اور اس کا نفس صفاتِ خدو ندی کا مظہر بن جاتا ہے اور اخلاقِ خدو ندی کا خوگر بن جاتا ہے۔ اس خلق سے بالا کوئی دوسرا خلق نہیں ہے جو شخص اس مرتبہ و مقام پر پہنچ گیا۔ اس نے وہ مرتبہ و مقام حاصل کر لیا کہ اس سے بلند و بالا کوئی دوسرا مرتبہ و مقام نہیں ہے۔ اس مرتبہ و مقام کا کمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا اسی لیے آپ کے متعلق اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ **وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ**۔ یہ شگ تم خلقِ عظیم پر ہوا آپ کے بعد آپ کے خواص امت میں سے اس کی مناسبت اور تقرب کے بقدر ہر ایک کو حصہ عطا کیا گیا ہے۔

اخلاقِ حسنہ کے جس قدر اضراد ہیں وہ سب کے سب اخلاقِ سیئہ ہیں اخلاقِ سیئہ کا منشا بھی چند امور ہیں طینت کی خباثت، جبلت کا فساد و سوء عادت اور بری صحبت وہ اسباب ہیں جن سے اخلاقِ رفیہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان برے اخلاق کے برے اثرات اس زندگی میں پڑتے ہیں۔ اور آخری زندگی بھی خراب ہوتی ہے۔

اخلاق کی تبدیلی

بعض علماء اور حکماء کا خیال ہے کہ خلق کی تبدیلی ممکن نہیں ہے جس طرح صورت کی تبدیلی ممکن نہیں کہ **لَا تَبْدِيلَ لِمَا خَلَقَ اللَّهُ** اللہ کی خلقت میں

تبدیلی نہیں ہے، اسی طرح اس کی سیرت میں بھی تبدیلی ممکن نہیں ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔

فرغ ربك من الخلق و تمہارا پروردگار صورت اور سیرت
الخلق والرزق والاجل۔ اور رزق اور موت سے فارغ ہو چکا۔

دوسرے علماء اور حکماء فرماتے ہیں کہ خلق کی تبدیلی ممکن ہے ورنہ شرائع الہیہ تحسین اخلاق کی تاکید نہ فرماتی۔ اور شرائع الہیہ کے ذریعہ اخلاق کی تحسین کی بھی گئی ہے صحیح یہی مذہب ہے ورنہ جس قدر سعی اور مجاہدات اس سلسلہ میں کئے گئے سب بے فائدہ ہوں گے اور تمام درس گاہیں اور تربیت گاہیں بے سود و بے کار ہونگے جس طرح صورت کو حسین بنانے کی تدبیریں کی جاتی ہیں اور رزق کی افزائش کے لیے کوششیں کی جاتی ہیں اور سخت مہلک بیماریوں کی دوائیں کی جاتی ہیں اسی طرح سیرت کی دوستی اور اخلاق کی تحسین کے لیے بھی مجاہدے اور ریاضتیں کی جاتی ہیں۔ جب تہذیب و تربیت کے بعد جانوروں کے اخلاق و عادات بھی بدل جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نفس کے تزکیہ اور تہذیب کے بعد انسانوں کے اخلاق کی تحسین نہ ہو۔

تہذیب اخلاق کا طریقہ

قادر مطلق نے انسان میں مختلف قوتیں رکھی ہیں اور ہر ایک کا میدان عمل اور طبعی رجحان جدا ہے۔ علماء علم اخلاق نے ان میں سے تین کو اصل قرار دیا ہے باقی قوتوں کا اعتدال انہی پر موقوف ہے۔ قوت شہوانیہ، قوت غضبیہ، قوت ملکیہ،

ان میں پہلی و قوتوں کا تعلق انسانی خواہشات اور جذبات سے ہے جس قدر
 ان میں افزونی ہوگی خواہشات و جذبات میں افزونی ہوگی صرف آخری قوت (ملکیہ)
 کا تعلق روحانی نشوونما سے ہے پہلی دونوں قوتیں ہمیشہ بدی اور برائی کی طرف
 کھینچتی ہیں۔ اور تیسری قوت کی کشش نیکی کی جانب ہوتی ہے جب تک پہلی و
 قوتیں کمال پر رہتی ہیں اس وقت تک یہ ممکن نہیں کہ انسان معصیت اور برائی
 سے بچے اور اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہو۔ کیوں کہ اس کی قوتِ ملکیہ مضحمل اور
 کمزور ہے اور جب قوتِ ملکیہ میں کمال پیدا ہو جاتا ہے اور اس حد تک قوت
 حاصل کر لیتی ہے کہ وہ پہلی دونوں قوتوں کو مغلوب کر سکے تو پہلی دونوں قوتیں
 مضحمل اور کمزور ہو جاتی ہیں اور معصیت اور برائی کی ان میں بہت نہیں رہتی، قوت
 ملکیہ ان کو نیکی کی جانب مائل کر دیتی ہے اور نفس کو اخلاقِ حسنہ سے آراستہ کر
 دیتی ہے۔

پس تہذیبِ اخلاق کا طریقہ صرف یہ ہے کہ قوتِ ملکیہ کو عروج و کمال پر پہنچایا
 جائے تاکہ وہ غالب ہو کر پہلی دونوں قوتوں کو مغلوب اور مقہور کر کے ان پر برتری
 کر سکے اور قوتِ ملکیہ کو عروج و کمال صرف روحانیت اور ایمانیات سے
 حاصل ہوتا ہے۔ جب تک نفسِ روحانی لذات سے آشنا نہیں ہوتا مادی لذات
 کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔

تہذیبِ اخلاق کا خداوندی نظام

انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اعلیٰ مخلوق کے نفوس کا تزکیہ و

تظہیر اور ان کے اخلاق کی تہذیب و تحسین ہے تاکہ وہ بارگاہ خداوندی میں پیشی کے لائق ہو جائیں اور رلاء اعلیٰ سے والہمتہ ہو جائیں۔ اس مقصد کی پوری تکمیل سید الانبیاء والمرسلین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انجام دی گئی اور اخلاق کو درجہ کمال و تمام تک پہنچایا گیا چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

بعثت لا تمم مکارم
میں اس لیے بھیجا گیا تاکہ مکارم اخلاق

کو درجہ تمام و کمال تک پہنچا دوں۔

اور امت مسلمہ کو تحسین اخلاق کا امر فرمایا اور تحسین اخلاق کو عبادت میں داخل فرما کر کمال ایمان اور آخرت کے لیے ترقی درجات کا ذریعہ فرارویا۔ ارشاد نبوی

حَسَنُوا اخْلَاقَكُمْ
تم اپنے اخلاق کو اچھے بناؤ

کیوں کہ یہ کمال ایمان اور خوبی ایمان کی علامت ہے۔ ارشاد نبوی

مومنوں میں زیادہ کمال ایمان ان کا
ہے جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ اِيْمَانًا
اِحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ (ترمذی)
صحیحین کی روایت میں ہے۔

بے شک تمہارے بہترین لوگ وہ ہیں
جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں

ان من خياركم
احسنكو خلقاً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روز حشر میں ان عمل میں
حسن خلق سے زیادہ ذرا کوئی عمل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ناپسند

فرماتے ہیں جو بخش گو اور بے ہودہ بکواس کر نیوالا ہو (نزدہ از ترمذی)

نیز ارشاد فرمایا مجھے محبوب تر اور مجھ سے قریب تر قیامت میں وہ مسلمان

ہوں گے جو اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہیں اور مجھ سے مبغوض تر اور مجھ سے بعید

تر وہ مسلمان ہو گے جو بکواس کرنے والے اور بڑبڑھٹھڑھٹھ کرنے والے اور

بڑاچی جتلانے والے ہیں (نزدہ از ترمذی)۔ پس معلوم ہوا حسنِ خلق اللہ اور رسول

و دونوں کو محبوب اور پسند ہے اور اخلاقِ سیئہ اللہ و رسول و دونوں کو مبغوض اور

نا پسند ہیں تو لامحالہ جنت کے مراتب پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں کون لوگ زیادہ جائیں گے آپ

نے ارشاد فرمایا وہ لوگ جو متقی و پرہیزگار ہوں گے اور ان کے اخلاق پاکیزہ

ہوں گے (ترمذی) اور آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص حق پر ہونے کے باوجود

چھکڑے کو چھوڑ دے میں اس کے لیے اطرافِ جنت میں ایک محل کا ذمہ دار

ہوں اور جو شخص جھوٹ کو ترک کرے میں اس کے لیے وسطِ جنت میں ایک

محل کا ذمہ دار ہوں اور جو شخص حسنِ خلق اختیار کرے میں اس کے لیے جنت کے

اعلیٰ ترین مقام پر ایک محل کا ذمہ دار ہوں (نزدہ از ابی داؤد)

جب حسنِ خلق بھی عبادت ہے اور اہم عبادت ہے تو اس کی وجہ سے عبادت

گذاروں کا مرتبہ اور مقام حاصل ہونا ایک بدیہی صاف بات ہے چنانچہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مومن اپنے حسنِ خلق کی وجہ سے اس شخص

کا مرتبہ پالیتا ہے جو ہمیشہ دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات کو نماز پڑھتا ہو نزدہ

از ابی داؤد اور خلقِ حسن کا اصل معیار یہ ہے کہ انسان صفاتِ خداوندی میں

رزگ جائے اور اخلاق خداوندی کا جو گریہ بن جائے چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔
 تخلقوا باخلاق اللہ۔ (تم اخلاق خداوندی کے جو گریہ بنو اور یہی وقت ہو
 سکتا ہے جبکہ انسان خداوند عالم سے اپنا ربط و تعلق صحیح قائم کرے اس کے
 اوامر و احکام کی پابندی کرے اور ممنوعات و محظورات سے اجتناب کرے تو
 سارے اخلاق حسنہ کا مرجع اور مرکز قرآن حکیم ہے جو بات اور کام اس کے
 موافق ہے وہ خلق حسن اور امر صالح ہے اور جو بات اس کے خلاف ہے وہ خلق
 سود اور برا عمل ہے۔ اس لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا
 خلقہ القرآن۔ (یعنی آپ کے اخلاق قرآن مجید کی عملی تفسیر تھے۔
 جو کچھ قرآن مجید میں اوامر خداوندی نازل کیے گئے آپ ان کا عملی نمونہ تھے۔ ان
 اوامر خداوندی میں اصل اصول اور اہم امور ارکان اسلام ہیں۔ یعنی تہجد
 و رسالت کی شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بیت اللہ جن کے مصالح اور
 منافع کا اجمالی بیان پہلے ہو چکا ہے۔ یہ تو اصلی روحانی طورانی غذا کے حکم ہیں ہیں
 جن کے بغیر انسانی ایمانی زندگی کسی طرح نشوونما اور ترقی و عروج حاصل
 نہیں کر سکتی کیوں کہ یہ بندگی کے اصل نقتضیات ہیں۔ ان کے بعد درجہ بدرجہ
 باقی تمام اوامر خداوندی ہیں جن سے مقصود نوع انسانی کی اصلاح و درستی ہے
 اور انسانیت کو اوج کمال پر پہنچانا ہے۔ اور ہر امر خداوندی انسانیت کا جزو
 لازم اور اصل خلاصہ ہے۔ انسان جس قدر اوامر سے آراستہ ہوگا اسی قدر
 مہذب شائستہ ترقی یافتہ ہوگا اور بارگاہ خداوندی میں مقرب اور مقبول ہو

اسی لیے اسلام کو دینِ فطرت کہا گیا ہے، اسلام ہی تمام امورِ انسان کی اصل فطرت کے صحیح ترجمان ہیں۔ فطری امور کو اور احکام کا جامہ پہنا کر طاعت و عبادت کے زمرہ میں داخل کیا گیا ہے اور عبادت کے دائرہ کو وسیع کیا گیا ہے تاکہ پوری انسانی زندگی عبادت و بندگی کے محاصرہ میں آجائے اور انسان کا کوئی کام بندگی کے خلاف نہ ہو۔

دینِ اسلام میں کسی قسم کی بھتی تگی اور دشواری نہیں ہے جو کچھ معمولی پابندیاں عائد کی گئی ہیں ان سے مقصود بھی انسان کا تزکیہ و تہذیب اور انسانیت کی تکمیل ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

نہیں کی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے
دین میں تگی، لیکن ارادہ کرتا ہے وہ کہ تمہیں
پاکیزہ بنائے اور اپنے انعام کو تم پر تمام
فرمائے تاکہ تم شکر گزار بندہ بنو۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ
حَرْجٍ وَلَا يَتْرِكُ لَكُمْ
وَلَيْتُمْ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اور ان پابندیوں میں بھی انسان کے فطری ضعف کا لحاظ رکھا گیا ہے اور پوری آسانی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ
فرماتے ہیں اور دشواری کا ارادہ نہیں فرماتے

يُرِيدُ اللَّهُ يَكُوِّلُ لَكُمْ
وَلَا يُرِيدُ لَكُمْ الْعُسْرَ

انسان کو بہر حال کسی نہ کسی نظام کی پابندی کرنی ضروری ہے انسانی زندگی بالکل آزاد کسی طرح نہیں رہ سکتی۔ پھر وہ اپنے مالک اور خالق کے مقرر کردہ فرستادہ فطری نظام کا پابند ہو کر خدا کا فرمانبردار مقرب بارگاہ کیوں نہیں جائے۔ پھر پابندی

کے لیے بھی وہ ملت مقرر کی گئی جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ملت ہے جو تمام نبیوں کے مسلمہ امام ہیں تاکہ طبائع کو اس سے وحشت نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ
مِنْ حَرْجٍ مِّثْلَ آبِكُمْ اِبْرَاهِيمَ
هُوَ سَيِّدُ الْمُسْلِمِينَ

نہیں کی ہے تم پر دین میں کوئی تنگی۔ یہ
وہی تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے
اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

اسلام کے معنی اطاعت و انقیاد کے ہیں جس گروہ میں اللہ کی اطاعت و انقیاد ہو وہی مسلمان ہے۔ پھر بھی اگر وہیں اسلام سے اعراض و انحراف کیا جائے تو یہ ہر امر کفر و طغیان اور خسران ہے۔

وَمَنْ يَلْتَمِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ
فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اور جو اسلام کے علاوہ کوئی مذہب اختیار
کرتے گا تو وہ اس سے ہرگز نہ قبول کیا
جائے گا اور وہ شخص آخرت میں خسارہ
والوں سے ہے۔

تزکیہ نفس اور تہذیب یورپ

تزکیہ نفس اور اقوام یورپ کی موجودہ تہذیب میں بالکل تضاد ہے۔ کیوں کہ تزکیہ نفس کے لیے نفس کو شہوات و لذات و خواہشات سے باز رکھ کر اس کو خالقِ نفوس کا مطیع و منقاد بنانا ہے۔ اور اقوام یورپ کی موجودہ تہذیب و تمدن کی ساری بنیاد شہوات و لذات و خواہشات نفسانی پر قائم ہے۔ اور اسی کو اپنا مقصود زندگی اور معبود و مطلوب بنایا ہوا ہے۔ افراتیت من اتخذ الہدۃ ہواہ

کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج یورپین ممالک میں فحش و بے حیائی اور بدکاری کر عروج فروغ ہے اور جس قدر اس تہذیب و تمدن میں ترقی ہوتی جائے گی۔ اسی قدر ان برائیوں میں افزونی ہوگی۔ حتیٰ کہ انسانوں اور چوپاؤں میں کوئی انسانی فرق باقی نہ رہے گا۔ کیوں کہ ترقی کا معیار ہی اسی کو قرار دیا ہوا ہے۔

معائب محاسن شمار کیے جاتے ہیں برائیاں خوبیاں سمجھی جاتی ہیں اور فحش و بچھیائی کے عروج و فروغ کو قومی عروج و فروغ قرار دیا ہوا ہے۔ جو قوموں کے انحطاط و ادبار کا انتہائی نقطہ اور آخری سرحد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپین ممالک میں صنعت و حرفت کے توجاہہ جا بڑے بڑے کارخانے نظر آئیں گے قسم قسم کی مصنوعات اعلیٰ سے اعلیٰ تیار کی جاتی ہیں لیکن انسان سازی کا کوئی کارخانہ کہیں کسی ملک میں ایک بھی نظر نہ آئے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ان اقوام کے اخلاق و عادات اور عبادت اور مذہب ہی رسومات کی غرض و غایت بھی انہی نفسانی لذت و خواہشات کی حدود میں محدود رہتی ہے خدا پرستی و خدا ترسی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا اس معاشرہ میں تصور اور وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مذہب عیسوی کے بنیادی عقیدہ توحید باری میں اس قدر سخت تحریف کر دی گئی ہے کہ وماغنوں میں نہ ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ کا تصور باقی رہا اور نہ اس کے ساتھ قلبی ربط و تعلق قائم رہا۔ پھر مذہب بھی ایک مخصوص طبقہ کی اجارہ داری میں آگیا وہ اس میں جو چاہیں تغیر و تبدل کر سکتے

ہیں اسی طرح عیسائی اکثریت اپنے خالق سے بھی بے گانہ ہو گئی اور اپنے مذہب سے بھی بے تعلق ہو گئی۔

اس عالمگیر وبا کا مداوا مسلمان قوم کر سکتی تھی کیوں کہ اس ملت کو قائم اسی لیے کیا گیا ہے کہ روسے زمین پر انسانوں میں نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی رائج کرے اور نوع انسانی سے شر و فساد کا ازالہ کر کے اس کو پروردگار عالم کا مطیع و منقاد بنائے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

مسلما نو اتم خیر امت ہو جسے انسانوں کے
 نفع کے لیے بنایا گیا ہے تم انسانوں
 کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے
 باز رکھتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ
 لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
 وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
 تُوْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔

مگر یہ خیر امت بھی مادی ترقیات سے اس قدر مرعوب ہو گئی کہ اس کو اپنے بھی ہوش نہ رہے کہ ہم کیا تھے اور کس مقصدِ عظمیٰ کے لیے بھیجے گئے تھے اور کیا کر رہے ہیں اور کس طرف جا رہے ہیں۔

اگر مسلمان قوم ہی صحیح راستہ پر استوار ہو جائے تو دیگر اقوام کا راہِ راست پر آنا کوئی دشوار نہیں ہے اس کی جانب متوجہ کرنا مقصود ہے ان اربابِ الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ العزیز الحکیم۔

محمد حنیف شاہ حسین

دارالاشاعت کاندھلہ ضلع مظفرنگر
 ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ بمطابق

فَلَا تَطْلَعُ مِنْ زُكُومِهَا وَقَدْ خَابَ مِنْ دُجَاهِهَا

تذکرہ نفس اور

تذکرہ اخلاق

نوع انسانی کیلئے خداوندی ضابطہ حیات اور دستور زندگی

از
مفتی اسلام مولانا محمد رفیع الرحمن صاحب کاندھلوی

عمر فاروق اکیڈمی
اُردو بازار، لاہور، پاکستان